ماہنامہ **محدث** بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۸۴

جلد: ۳۳ ، شمارہ: ۱۱

محرم الحرام ۱۴۳۷ھ = نومبر ۲۰۱۵ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپئے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳-افتتاحیہ	مولانا عبدالمتین مدنی	۷
۴-لاپرواہی اور امت پر......	خطبۂ امام حرم	۹
۵-اولیاء اور ان کے کرامات......	مولانا محمد ایوب سلفی	۱۳
۶-دعوت الی اللہ، ضرورت	محمد اسلم مبارک پوری	۱۹
۷-مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری...	راشد حسن سلفی مبارکپوری	۲۵
۸-گوشت خوری، اسلام اور......	ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی	۳۵
۹-تحویل قبلہ: احکام وفوائد	محمد عاصم افضال احمد	۴۰
۱۰-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۱-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۲-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۶

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

اللہ کے فیصلہ میں کسی کی کچھ نہ چلے گی

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿یَوْمَ یَأْتِ لاَ تَکَلَّمُ نَفْسٌ إِلاَّ بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَسَعِیْدٌ، فَأَمَّا الَّذِیْنَ شَقُواْ فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَشَهِیْقٌ، خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ إِلاَّ مَا شَاء رَبُّکَ إِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ، وَأَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُواْ فَفِی الْجَنَّةِ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ إِلاَّ مَا شَاء رَبُّکَ عَطَاء غَیْرَ مَجْذُوذٍ﴾. (سورہ ہود:۱۰۵-۱۰۸)

(ترجمہ) جس دن (قیامت) آجائے گی تو کوئی متنفس اس کی اجازت کے بغیر بول نہیں سکے گا، پھر ان میں سے کچھ بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ پس جو (حساب کے بعد) بدبخت ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اس میں وہ چلائیں گے اور چیخیں گے، اسی میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین ہے، مگر جتنا آپ کا پروردگار چاہے، بیشک آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے، لیکن وہ لوگ جو نیک بخت ٹھہریں گے وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین ہے مگر جتنا آپ کا پروردگار چاہے، یہ ایسی بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔

سورہ نبأ آیت نمبر ۳۸ میں اللہ نے بیان فرمایا ہے: ﴿یَوْمَ یَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلاَئِکَةُ صَفّاً لَّا یَتَکَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرحْمَنُ وَقَالَ صَوَاباً﴾ یعنی جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو رحمٰن کی اجازت ملے اور وہ درست بات کرے۔

سورہ طہ آیت نمبر ۱۰۹ میں ہے: ﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِیَ لَهُ قَوْلاً﴾ یعنی اس دن کسی کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالی نے دو جگہ آیت نمبر ۴۸ اور آیت نمبر ۱۲۳ میں تاکیداً فرمادیا ہے کہ: ﴿وَاتَّقُواْ یَوْماً لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَیْئاً وَلاَ یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلاَ یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلاَ هُمْ یُنصَرُونَ﴾ یعنی اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے گی اور نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ (کسی اور طرح سے) مدد مل سکے گی۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ واضح ہے کہ جب بروز قیامت انسان حساب کے لیے پیش ہوگا اس وقت کی صورت حال

نہایت نازک اور پریشان کن ہوگی۔ سامنے جنت یا جہنم موجود ہوگی۔ اور انسان کے مکمل نامۂ اعمال نیکی و بدی تولی جائے گی۔ اس کے اچھے و برے اعمال کی گواہی کے لیے، اس کے اعضاء و جوارح، زمین کا وہ حصہ جہاں اس نے کام انجام دیئے ہوں گے، وہ لوگ جس کے ساتھ اس کے دنیا میں معاملات رہے ہوں گے، وہ چیزیں جس نے اچھے یا برے طور پر استعمال کیا ہوگا۔ اسی طرح اس کے نیک اعمال، مسجد کے وہ حصے جہاں اس نے نماز ادا کی ہوگی، اس کے روزے جن کو اس نے اللہ کی رضا کے لیے رکھے ہوں گے، قرآن مجید جس کو اس نے اپنی ہدایت وثواب کے لیے پڑھا ہوگا، معصوم بچے جن کی اس نے پرورش کی ہوگی۔ غرض کہ چھوٹے سے چھوٹا کام اور بڑی سی بڑی نیکی سب حاضر کردی جائے گی، جیسا کہ اللہ نے سورہ زلزال میں فرمایا: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ، وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾ یعنی جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی اس کو دیکھ لے گا۔

اللہ رب العالمین ہر انسان کا فیصلہ کرے گا اور اس کے اعمال کے مطابق اس کو جنت یا جہنم نصیب ہوگی۔ اللہ کے اس فیصلہ کے وقت کوئی بولنے والا نہیں ہوگا اور نہ کسی کی سفارش کام دے گی اور نہ کوئی کسی کو بچا سکے گا۔ اسی وقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول محمد ﷺ نے فرمایا تھا:

"يا فاطمة بنت محمد يا صفية بنت عبد المطلب يا بني عبد المطلب لا أملك لكم من الله شيئا سلوني من مالي ما شئتم" (صحیح مسلم:۴۲۳) اے محمد کی بیٹی فاطمہ، اے (میری پھوپھی) صفیہ بنت عبدالمطلب، اے (میرے خاندان کے لوگو) بنی عبدالمطلب! میں اللہ کے (فیصلہ) کے سامنے کچھ نہ کرسکوں گا، (یہاں) میرے مال سے جو کچھ چاہتے ہو وہ مجھ سے مانگ لو۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام جو خلیل اللہ ہیں اپنے والد کو جہنم میں جانے سے نہ روک سکیں گے، اسی طرح اللہ کے آخری رسول اور اللہ کے حبیب حضور کوثر اور مقام محمود سے سرفراز ہونے والے محمد ﷺ اپنے چچا ابوطالب کو جہنم میں جانے سے نہ بچا سکیں گے۔ یہ سب باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ اور ایک مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کے فرمودات پر یقین رکھے۔ اور اپنی عاقبت کی فکر کرے۔ آپ بشیر ونذیر بنا کر بھیجے گئے اور آپ نے جنت میں جانے اور جہنم سے بچنے کے لیے واضح ہدایات دی ہیں۔ اگر کوئی نہ مانے تو اس کا انجام اس کو بھگتنا ہوگا۔ اللہ ہم کو صحیح راہ پر زندگی گذارنے کی توفیق بخشے، آمین۔

☆☆☆

درس حدیث

اندرون خانہ شیطان کے شر سے حفاظت

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ أَوْ أَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْتَشِرُ حِيْنَئِذٍ فَإِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَخَلُّوْهُمْ وَأَغْلِقُوْا الأَبْوَابَ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا وَأَوْكُوْا قِرَبَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَخَمِّرُوْا آنِيَتَكُمْ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوْا عَلَيْهَا شَيْئًا وَاطْفِئُوْا مَصَابِيْحَكُمْ. (صحیح بخاری، ح:۳۲۸۰،۳۳۰۴،صحیح مسلم: ح:۲۰۱۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جب رات شروع ہو یا جب تم شام کرو تو اپنے بچوں کو روک لو، اس لیے کہ شیطان اس وقت پھیلتا ہے۔ جب رات کا کچھ حصہ گذر جائے تو انھیں چھوڑ دو اور دروازوں کو بند کرو اور اللہ کا نام لو، اس لیے کہ شیطان بند دروازہ نہیں کھولتا اور اپنے مشکیزے کے منہ کو باندھ لو اور اللہ کا نام لو اور اپنے برتنوں کو ڈھانک لو اور اللہ کا نام لو اگر چہ تم اس پر کچھ بھی رکھ دو اور اپنے چراغوں کو بجھا دو۔

محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی اہم ترین خوبی یہ تھی کہ آپ انتہائی درجہ شفیق ورحم دل انسان تھے، آپ کی شفقت ہر ایک کے لیے تھی، یہاں تک کہ حیوانات ونباتات بھی آپ کی شفقت سے محظوظ ہوئے، آپ کی ہر تعلیم سے آپ کی یہ خوبی نمایاں ہے۔ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو کرنے والے کے حق میں مضر ہو، لوگوں کو ان کے مصالح بتلائے اور ایسے کاموں پر تنبیہ فرمادی جو ان کے لیے نقصان کا باعث ہے۔

چونکہ اس دنیا میں بندوں کا سب سے بڑا دشمن شیطان لعین ہے اور اس کے نقصانات بھی سب سے زیادہ اور مہلک ہیں۔ اس لیے اس ازلی دشمن کے شر سے بچنے کی سب سے زیادہ تاکید اور اس کے طریقے آپ نے واضح الفاظ میں بیان فرمائے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ ایک مسلمان اپنے بچوں، کھانے پینے کی چیزوں اور گھر کو کس طرح شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔

مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اس کے پاس شیطان سے مقابلہ کے لیے سب سے موثر ذریعہ اللہ کا ذکر ہے، اس لیے ایسے مواقع جہاں شیطان کے شر کا اندیشہ زیادہ ہے، خاص طور سے اللہ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً گھروں میں

آنے جانے کے وقت، استنجاء کے لیے جانے کے وقت، مباشرت کے وقت، نئی جگہ یا کسی بستی میں داخل ہونے کے وقت وغیرہ۔ حدیث کی کتابوں میں ان مواقع کی دعائیں بسند صحیح موجود ہیں۔ اس لیے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، نقصان پہنچانے کے کسی موقع کو وہ گنواتا نہیں، بلکہ وہ تو اس کی تلاش میں رہتا ہے، چونکہ رات کا وقت خصوصیت کے ساتھ شیطان تازہ دم ہوکر اپنے مشن پر نکلتا ہے اور بنی آدم خصوصا بچے اور جانور اس کے نشانے پر ہوتے ہیں، اس لیے اس موقع پر شیطان کے شر سے بچوں اور جانوروں کو بچانے کی تدبیر اس حدیث میں بتلا دی گئی کہ وہ بچے جو کم سن ہیں، شعور کی عمر کو نہیں پہنچے، نفع ونقصان کی تمیز نہیں کر سکتے، انھیں سورج ڈوبنے کے بعد گھروں کے اندر رکھا جائے، راستوں، پارکوں، کھیل کے میدانوں یا گھر کی چھتوں پر گھومتے پھرتے نہ چھوڑا جائے، یہاں تک کہ کچھ وقت گذر جائے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں جانوروں کے بارے میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے جس کے الفاظ ہیں: "لا ترسلوا مواشيكم وصبيانكم إذا غابت الشمس" (صحیح مسلم، ح:۲۰۱۳) جب سورج غروب ہوجائے تو اپنے بچوں اور جانوروں کو باہر نہ چھوڑو۔

علامہ ابن الجوزی تحریر فرماتے ہیں: "إنما خيف على الصبيان في تلك الساعة لأن النجاسة التي تلوذ بها الشياطين موجودة معهم غالبا والذكر الذي يحرز منه مفقود من الصبيان غالبا والشياطين عند انتشارهم يتعلقون بما يمكنهم التعلق به فلذلك خيف على الصبيان في ذلك الوقت". والحكمة في انتشارهم في ذلك الوقت ان حركتهم في الليل أمكن منها لهم في النهار لأن الظلام أجمع للقوى الشيطانية من غيره كذلك كل سواد. (فتح الباری:۶/۳۴۱)

اس وقت بچوں کے بارے میں شیطان کے ضرر کا اندیشہ اس لیے ظاہر کیا گیا، کیونکہ شیطان اکثر وبیشتر نجاستوں میں لت پت ہوتا ہے اور وہ ذکر جس سے اس شر سے بچا جائے عموما بچے اسے نہیں جانتے اور شیطان اپنے پھیلنے کے وقت جس کو نقصان پہنچا سکتا ہے نقصان پہنچاتا ہے، اس لیے خاص طور سے بچوں کے بارے میں اس وقت یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا (کیونکہ شیطان سے حفاظت کا ہتھیار ان کے پاس ذکر کی صورت میں نہیں ہوتا)۔

اس وقت شیطان کے پھیلنے کی حکمت یہ ہے کیونکہ دن کے مقابلہ میں رات کو یہ اپنے مشن کو انجام دینے کی صلاحیت زیادہ رکھتے ہیں، اس لیے کہ تاریکی میں شیطانی طاقتیں یکجا ہوکر زیادہ موثر ہوجاتی ہیں اور اسی لیے ہر سیاہ چیز شیطان کا حربہ ہوتا ہے۔

اسی طرح اس حدیث میں یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ رات کے وقت گھر کے دروازوں کو بند کر دیا جائے، دروازوں کے بند کرنے سے صاحب خانہ اپنے ساز وسامان کے سلسلے میں مطمئن ہوجائے گا اور بری نیت سے آنے والوں کو راہ بھی نہ ملے

گی ،لیکن اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہم اپنے سب سے بڑے دشمن کا راستہ بھی بند کر دیں گے بشرطیکہ یہ کام ہم اللہ کے ذکر کے ساتھ کریں کیونکہ شیطان بند دروازے نہیں کھولتا۔

اس کے بعد اس حدیث میں کھانے پینے کے برتنوں کو بھی اللہ کے ذکر کے ساتھ ڈھانکنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے کہ اگر برتن میں کھانے یا پینے کا سامان ہے تو اس کی حفاظت جانوروں چوہا، بلی یا دیگر موذی جانور سے جس طرح ضروری ہے، اسی طرح شیطان کے شر سے بھی ضروری ہے، اس لیے اگر اللہ کے ذکر کے ساتھ یہ کام کیا جائے تو ان شاء اللہ اس ذکر کی برکت سے یہ چیزیں محفوظ رہیں گی اور اگر ہم اس طرح کا کوئی سامان فریج کے اندر رکھتے ہیں تو رکھتے وقت بسم اللہ پڑھ لیں، اس سلسلہ میں صحیح مسلم کی ایک روایت میں اللہ کے رسول نے اس کی ایک اہم حکمت اور بتلائی ہے: فإن في السنة ليلة ينزل فيها وباء لا يمر بإناء ليس عليه غطاء أو سقاء ليس عليه وكاء الا نزل فيه من ذلك الوباء. (صحیح مسلم، ح: ۳۷۶۵) سال میں ایک رات ایسی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے جب یہ کھانے پینے کے کسی ایسے برتن کے پاس سے گذرتی ہے جو ڈھکا ہوا نہیں ہوتا اس میں یہ وبا داخل ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کے اخیر میں چراغوں کے بجھا دینے کا بھی حکم ہے، ظاہر یہی ہے کہ اس کام کو بھی اللہ کے ذکر کے ساتھ کیا جائے اور اس کا مقصد اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بیان فرمایا: وان الفويسة تضرم على الناس بيتهم. (صحیح مسلم ح: ۲۰۱۲، الأدب المفرد: ۱۲۲۱)

بیشک چوہیا اس سے لوگوں کا گھر جلا دیتی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں اس طرح کا واقعہ پیش بھی آیا ہے۔ گھروں، دوکانوں اور گوداموں میں آگ لگنے کے واقعات آئے دن پیش آتے ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ آگ لگنے کا سبب شارٹ سرکٹ ہے تو جن گھروں میں بجلی کا استعمال ہے خاص طور سے دوکانوں اور گوداموں میں وہاں ضروری جان کر بند کرتے وقت مین سوئچ آف کر دی جائے اور جہاں تک گھروں کی بات ہے تو گھروں میں تمام غیر ضروری روشنی کے ذرائع رات کو بند کر کے ہی سویا جائے، اس سے نہ صرف اس حدیث پر عمل ہوگا بلکہ یہ ہمارے لیے زیادہ باعث راحت وسکون ہوگی اور انسانی تجربہ میں بھی یہ بات ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس حدیث نبوی میں ہمیں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے وہ باتیں ہمارے لیے کتنی ضروری ہیں ان کو اختیار کر کے ایک طرف ہم اپنے مصالح کی حفاظت کر لیں گے اور دوسری طرف اتباع سنت کی وجہ سے اجر وثواب کے مستحق بن جائیں گے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین۔

☆☆☆

افتتاحیہ

موسم سرما کی آمد
اور اسلامی اخوت کے تقاضے

مولانا عبدالمتین مدنی

موسم سرما اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ قدم رنجہ ہے، خوبصورت صبح، پر کیف شام اور درمیان میں دھوپ وسایہ کی آنکھ مچولی کا آغاز ہو چکا ہے، کھیت وکھلیان نے بھی سبز چادر اوڑھ لی ہے، فرحت وانبساط کا سماں ہے، قوت وتوانائی کا احساس ہے، خلاق عالم نے تو اس موسم کو خوب خوب نوازا ہے، گرچہ اس موسم سے اہل ثروت ہی زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں، مال ودولت اور اسباب زیست کی فراوانی انہیں اس کی برکتوں سے دل کھول کر بہرہ ور کرتی ہے، گرم پوشاک، صحت افزا کھانے، محفوظ رہائش اور نرم وگرم بستر گویا کاٹنے والی سردی نے بھی ان کے لیے راحتوں کی قطار لگا کر رکھ دی ہے۔

سردی کا موسم خصوصا شہروں میں شادیوں کا موسم ہے، یہ شادیاں ایک طرف جسم وروح کی شادکامیوں کا ذریعہ ہیں، ارمان وایمان کی تکمیل ہیں، حسن ومحبت کا امتزاج ہیں، دوست واحباب کے جھرمٹ ہیں راہ ورسم کی بحالی وتجدید ہے تو دوسری طرف دولت کی نمائش ہے، دولت کا پلڑا انسانیت پر بھاری ہے، اسراف اپنے ساری حدوں کو پار کر رہا ہے، اخراجات کا اندازہ لگانا مشکل ہے، کس کس مد کے اخراجات کا اندازہ لگایا جائے، زیورات، کھانے، کپڑے، سجاوٹ .....الغرض یہ شادیاں دن بدن پر تکلف اور گراں سے گراں ہوتی چلی جارہی ہیں۔

یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو خوشحال ہے، مالدار ہے، ناز ونعمت کے دریا میں غوطہ زن ہے اس کا یہ حال ہے اور تصویر کا دوسرا رخ بڑا ہی دردناک، کربناک اور افسوسناک ہے، درد، آہ، کراہ، بے بسی وبے کسی، فقر وفاقہ، نہ پیروں تلے زمین، نہ سر پر سائبان، جسم پر ایسے چیتھڑے جو سردی سے حفاظت تو کجا جسم پوشی بمشکل کر سکیں اوپر سے مرض نے ان کی زندگی کو اور اجیرن بنا کر رکھ دیا ہے، ان کے دلوں میں نہ زندہ رہنے کا حوصلہ ہے اور نہ لبوں پر موت کی دعا کی ہمت وجرأت، الہا! یہ تیرے بے بس بندے کدھر جائیں، مالداروں کی اس بھیڑ میں کسی دردمند کو کیسے تلاش کریں جو یہ محسوس کرے یہ میرے ہی جیسے انسان ہیں، اگر میں موم سے بنا ہوں تو یہ پتھر کی مخلوق نہیں ہیں، ان کے جسم میں بھی لہو کی گردش ہے یہ بھی سردی وگرمی کو محسوس کرتے ہیں ان کو بھی کھانے پینے کی حاجت ہے، عوارض نے ان کا بھی پیچھا نہیں چھوڑا ہے ان کی کٹیا میں بلکتے ہوئے معصوم بچے اور مرگ کے بستر پر بوڑھے ماں باپ ہیں مگر اس مادی دنیا میں انسانیت کے ہمدرد وغم خوار کہاں ہیں؟ اپنوں پر اشرفی کی لوٹ دوسروں

کے لیے کوئلہ پر مہر، یہی آج کی حقیقت ہے وجہ یہ ہے کہ دل پتھر بلکہ کوئلہ ہی ہو گئے اگر اپنے بیٹا بیٹی کی شادی ہو تو بے پناہ خرچ اور اگر کسی غریب کے گھر شہنائی بجنی ہو تو ہاتھ جیب تک نہ پہنچے اور اس سے پہلے تو دل ہی کی راہ بند ہو جائے یہ کیسی انسانیت اور کیسی مسلمانیت ہے؟ وفي أموالهم حق للسائل والمحروم.

اہل ثروت کو چاہیے کہ وہ سردی کے اس موسم میں انسانیت نوازی کا ثبوت پیش کریں، دل کے دریچوں کو کھلا رکھیں دوسروں کے کرب و درد کو محسوس کریں کتنے لوگ ایسے ہیں جو روز کنواں کھودتے اور پانی پیتے ہیں بے انتہا سردی عارضی طور پر انہیں فاقہ پر مجبور کر دیتی ہے انہیں سردی کی وجہ سے کوئی مناسب کام نہیں ملتا اور اگر ملتا بھی ہے تو ہاتھ پیر برف کی طرح جم جاتے شل ہو جاتے ہیں اور وہ کام پر جانے کی تاب نہیں پاتے، اس لیے وہ نان شبینہ کے محتاج بن جاتے ہیں۔

اس موسم میں ہماری طرح ہمارے غریب بھائی گرم کپڑوں کے ضرورت مند ہیں، سوئیٹر، شال، مفلر، جیکٹ اور دوسری ضروری چیزیں انہیں بھی فراہم کیا جائے تا کہ سردی ان کو نہ کاٹے بلکہ ہماری طرح وہ بھی سردی کو کاٹ لیں۔

کتنا اچھا ہو اگر ان کٹیوں میں اس موسم میں لکڑیاں، کوئلے یا ایسی اشیاء فراہم کی جائیں جو نہ صرف کھانے پکانے کے کام آئیں بلکہ ان کے ذریعہ سے جسم کی کپکپاہٹ اور دانت کی کٹکٹاہٹ کو دور کیا جائے، بچے اور بوڑھوں کو راحت ملے ان کے جسموں میں گرمی کی ترنگ دوڑے اور وہ بھی آنکھ کھول کر اس موسم کے مناظر سے لطف اندوز ہوں۔

اگر ہم ان سطور میں اپنے ان پناہ گزیں بھائیوں کا تذکرہ نہ کریں تو یہ ان پر بڑا ظلم ہوگا جو دنیا کے کئی علاقوں میں خیموں میں ایسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں جو انسانیت کے نام نہاد سوداگروں کے منہ پر طمانچہ ہے، سیاسی رسہ کشی اور بعض دیگر اسباب کی وجہ سے انہیں یہ دن دیکھنے کو مل رہا ہے، کاش کہ حالات درست ہوں اور عزت کے ساتھ وہ اپنے گھروں کو لوٹیں، حالات و ذرائع یہ بتلاتے ہیں کہ سردی کا موسم ان مجبور لوگوں کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا، کھانا تو کھانا انہیں پانی تک دستیاب نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ سخت سردی کی وجہ سے جم جاتا ہے، عالمی اداروں کے ذمہ داران ان کے تئیں اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور رنگ و نسل، مذہب و ملک کی تقسیم سے بالاتر ہو، صرف انسانی ہمدری کی بنیادی پر انہیں بنیادی انسانی ضرورتیں فراہم کریں اور حکومتوں کو باور کرائیں کہ وہ ان کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں اور انسانیت نوازی کا ثبوت پیش کریں۔

☆☆☆

لاپرواہی اور امت پر اس کے منفی اثرات

خطبہ: ڈاکٹر سعود الشریم/امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ ترجمہ: ڈاکٹر عبد المنان محمد شفیق/لیکچرار ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو عدم سے وجود میں لانے والا اور جو چاہے اسے کر گذرنے والا ہے۔ جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی تقدیریں بنائیں۔ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا ہے۔ جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے اور جو ہو گا کیسے ہو گا سب کچھ جانتا ہے۔ وہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس کے خلیل اور اس کی مخلوق میں سب سے بہتر وافضل شخص ہیں۔ آپ نے پیغام پہنچادیا۔ امانت ادا کر دی۔ امت کی خیر خواہی کی۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا جیسا کہ جہاد کا حق ہوتا ہے۔، اور ہم کو ایک روشن شاہراہ پر چھوڑا جس کی رات بھی دن کی طرح ہے، جس سے ہلاک ہونے والا ہی منحرف ہو گا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو آپ پر اور آپ کے پاکیزہ ونیک گھر والوں پر، اور آپ کی بیویوں پر جو تمام مومنوں کی مائیں ہیں، اور آپ کے صحابیوں پر اور تابعین پر اور ان پر جو ان کی قیامت کے دن تک حق کے ساتھ اتباع کرنے والے ہیں، ان سب پر بہت زیادہ سلامتی ہو۔

امابعد: بندگان الٰہی! اللہ تعالی کا کماحقہ تقوی اختیار کیجیے۔ اسلام کے مضبوط کڑا کو سختی سے پکڑ لیجیے اور گناہوں سے پرہیز کیجیے کیونکہ گناہ تباہ کن ہوتے ہیں جو پیچھے کرتے ہیں آگے نہیں بڑھاتے۔ پست کرتے ہیں بلند نہیں کرتے۔ ذلیل کرتے ہیں باعزت نہیں بناتے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "اور جسے اللہ ذلیل وخوار کر دے اسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے" (حج / ۱۷)۔

اے مسلمانو: کمی اور کوتاہی انسانی فطرت ہے کیونکہ ہر بنی آدم خطاکار ہے اور بہترین خطاکار وہ ہے جو توبہ کرنے والا ہے۔ بیشک کمال صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ گناہوں سے عصمت اللہ کے نبیوں اور اس کے رسولوں کے لیے ہے۔ بلاشبہ آج کی مسلم جماعتوں، اشخاص، ملکوں، اداروں کے حالات کا بغور جائزہ یہ بتلاتا ہے کہ ایک دنیا ہے جو دینی اور دنیاوی عملی ضرورتوں کی کثرت سے موجزن ہے۔ جس دنیا کی ترجیحات کی فہرست کو ترتیب دینے اور اس کی فہرست کے اہم واہم ترین اور فاضل و مفضول کے درمیان گڈمڈ نہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اسی طرح اس بات کی بھی حاجت ہے کہ اس دنیا کی درجۂ صلاحیت کی حد بندی کی جائے، یا جائزہ لیا جائے کہ وہ کس حد تک اپنی موجودہ حالت سے مطمئن ہے۔ یا اس بات کا کتنا احساس ہے کہ مکمل سماج کی درجہ بندی منفی کے بجائے مثبت، لاپرواہ کے بجائے سنجیدہ اور ٹال مٹول کرنے والے کے بجائے کارکردگی والے سماجوں کی فہرست میں ہو سکتی ہے۔ کسی بھی گروہ اور جماعت کا اس طرح کے نتیجہ تک پہنچنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ کسی بنیادی معیار اور پیمانہ کو سامنے رکھے جس کے ذریعہ منفی اور مثبت، کامیابی اور ناکامی کو جانا جاسکے۔ بلاشبہ وہ پیمانہ وجود

وعدم کے اعتبار سے لاپرواہی ہے اور اس کے بارے میں امت کے افراد اور جماعتوں کا کیا موقف ہے۔ ہاں وہ لاپرواہی ہی ہے جو ناکامی، بربادی، ٹال مٹول اور ناقدری کا پل ہے۔ ایسی لاپرواہی جو ہر گھر میں اپنا بسیرا بنا چکی ہے۔ جو ہر نفس میں گھر کر چکی ہے اور جو ہر سماج کے سینہ پر سوار ہو چکی ہے مگر اللہ جس پر رحم فرمائے اور ایسے لوگ کم ہیں۔

ہاں اے بندگان الٰہی: وہ یقیناً لاپرواہی ہی ہے جو تنزلی کی سیڑھی ہے ترقی کی نہیں۔ جو پیچھے کی طرف لوٹنے کا زینہ ہے آگے بڑھنے کا نہیں۔

بلاشبہ امت مسلمہ کے فرزندوں میں صلاحیتیں اور قابلیتیں موجود ہیں جو ان کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ عالمی تہذیب وتمدن کے قائدین کا مقابلہ کر سکیں۔ اسی طرح یہ امت مکمل در حقیقت اپنے فرزندوں کے ہاتھوں اور اپنے دانشمندوں کی عقلوں سے اپنا عالمی مستقبل بھی تعمیر کرنے کی کامل صلاحیت رکھتی ہے بشرطیکہ وہ لاپرواہی کو اپنے پیٹھ کے پیچھے ڈال دے۔ لیکن یہ انتہائی افسوس اور شرمندگی کی بات ہے کہ اس امت میں فکر اور طاقت موجود ہے پھر بھی اس میں ہمت کی کمی ہے۔ بعد ازاں کہ اس کو لاپرواہی نے قتل کر دیا ہے اور اس کو زندہ درگور کر دیا ہے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے: مجھے لوگوں کے عیبوں میں کوئی ایسا عیب نظر نہیں آیا جو کمال پر قدرت رکھنے والوں میں کمی کی طرح ہو۔

بندگان الٰہی: لاپرواہی ایک منفی سلوک اور کردار ہے جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں ہے اور نہ ہی بظاہر محفوظ رہ سکتا ہے۔ بس کسی میں لاپرواہی کم اور کسی میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ محال ہے کہ امت ایسے کمال کی طالب ہو جس میں لاپرواہی نہ ہو۔ اسی طرح یہ کمی اور عیب ہے کہ امت ایسی لاپرواہی میں پڑ جائے جس میں سنجیدگی ہی نہ ہو لیکن میانہ روی اور اعتدال مطلوب ہے اس طرح سے کہ ایک آدمی انسانی طبیعت سے تجاوز نہ کرے جس کی جبلت ہی میں کمی ودیعت کر دی گئی ہے۔ نہ ہی سستی وکاہلی کا بھی غلام بن جائے کہ اس میں سنجیدگی اور شعور ہی نہ رہ جائے کیونکہ انسان کی فطرت ہی میں ظلم وجہالت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کہ بیشک وہ ظالم اور جاہل ہے (احزاب / ۷۲)۔ لاپرواہی میں یہ دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں ایک تو وہ اپنے نفس کے اوپر ظلم کرتا ہے کیونکہ لاپرواہی کی صفت اس کے اوپر قبضہ جما لیتی ہے اور وہ اس کے ساتھ سستی برتتا ہے۔

اسی طرح جہالت کی صفت بھی اس میں پائی جاتی ہے۔ اور لاپرواہی کے نتائج سے کلی طور پر جہالت ہے یا اس کے حجم و مقدار سے جہالت ہے۔ اور یہ دونوں ہی منفی اور قابل مذمت ہیں۔ اس حالت کی سب سے اچھی تصویر کشی نبی کریم ﷺ کے اس قول میں ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان جب صبح کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو فروخت کرتا ہے۔ پھر یا تو اسے آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ چنانچہ اپنی نفس کو آزاد کرا لینے والا کام کرنے والا، جفاکش شخص ہے جبکہ اپنی نفس کو ہلاک کرنے والا، لاپرواہ کاہل شخص ہے، خواہ اس کی لاپرواہی ذاتی یا سماجی ہو۔ سماجی اس معنی میں کہ سماج کی طبیعت اور اس کا علمی و تعلیمی منہج اس کی ذاتی لاپرواہی میں مددگار ہو۔ اصل پریشانی اور مصیبت یہاں پوشیدہ ہے۔ اس طرح سے رفوگر کے لیے شگاف اور پھٹن مزید کشادہ ہوتا جاتا ہے۔

اللہ کے بندو: لاپرواہی کی مذمت میں بہت سارے شرعی نصوص، عقلی دلائل، حکماء وشعراء کے اقوال جمع ہو گئے ہیں۔ لیکن اس کی تعریف صرف سست لوگوں کی ڈکشنریز اور پیچھے رہ جانے والے کم ہمت لوگوں کی لغات ہی میں پائی جاتی ہے۔

کچھ لوگ اپنے دین میں لاپرواہی برتتے ہیں اور اپنی دنیا کے لیے محنت کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنی دنیا میں لاپرواہی برتتے ہیں اور دین میں تگ ودو کرتے ہیں اور کچھ دونوں میں ایک ساتھ لاپرواہی برتتے ہیں جس سے ان کی دنیا و آخرت دونوں ضائع ہو گئی اور یہی کھلم کھلا نقصان ہے۔

علامہ ابن قیم کا قول ہے: ایک مکلف یعنی عاقل بالغ شخص کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ چیز لاپرواہی، نفس کا محاسبہ نہ کرنا، آرام پسندی، معاملات کو آسان سمجھنا اور ان کو صحیح طریقے سے نہ ادا کرنا ہے۔ یہ تمام چیزیں ہی اس کو ہلاکت تک لے جاتی ہیں۔ فریب خوردہ لوگوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔

جب بھی کوئی مصیبت یا ناکامی امت یا اس کے کسی فرد پر نازل ہوتی ہے تو اس لیے کہ ان میں لاپرواہی جڑ تک موجود ہوتی ہے خواہ یہ دانستہ یا لا دانستہ لاپرواہی ہو۔ کیونکہ اس طرح کی مصیبتیں لوگوں کو اسی وقت گھیرتی ہیں جب وہ ان کے واقع ہونے سے پہلے ان کو دور کرنے والے اسباب ووسائل کی فراہمی میں لاپرواہی برتتے ہیں یا کم از کم ان کے واقع ہونے کے بعد ان کو ختم کرنے کے اسباب وذرائع کی فراہمی میں لاپرواہی برتتے ہیں۔ لیکن –اللہ کے بندو– انسانی نفس کو جب آرام وراحت کی عادت پڑ جاتی ہے تو اس کے اوپر کمی اور آرام طلبی کی مصیبتیں برابر آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ یہی اس کو خوشگوار اور اچھا لگنے لگتا ہے۔ پھر وہ اس کے گندے اور بدبو دار پانی میں اپنا منہ ڈال دیتا ہے اور اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔ جہاں نہ اس کو کوئی مصیبت خوف زدہ کرتی ہے اور نہ ہی اس کو کوئی پرواہ ہوتی ہے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے: جب دیوار نے گرتے وقت دھول نہیں اڑائی تو گرنے کے بعد وہ کیا دھول اڑائے گی۔

اسی وجہ سے امت کے تمام افراد، قوموں، قائدین، علماء، آباء، اساتذہ اور ان جیسوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے درمیان لاپرواہی کی بیماری کے پھیلنے اور رواج پانے کے خطرہ کو سمجھیں –کیونکہ ہمارے غیر اپنی دنیا میں ہم سے اسی وقت سبقت لے گئے جب انھوں نے اس کو خیر باد کہہ دیا–اور ہم اپنی دنیا یا آخرت میں اسی وقت پیچھے ہوئے جب ہم نے اس کے ساتھ سستی و کوتاہی برتی۔ اب اگر یہ امت اس مقصد کا ادراک کر لیتی ہے تو وہ اپنے دشمن کو دوست سے اور اپنی کامیابی کو ناکامی سے پہچان لے گی۔ ہر ورم والی چیز کو موٹا نہیں سمجھے گی۔ ہر کالی چیز کو کوئلہ یا ہر سفید چیز کو چربی نہیں خیال کرے گی بلکہ دنیا و دین کے تمام میدانوں میں آگے بڑھ کے اللہ نے اس کے اوپر جو فضل وکرم کیا ہے اس سے سیر اب ہو گی۔ ایسی امت اس لائق ہو گی کہ وہ کمزور کے بجائے ایک طاقتور، خرچ کرنے کے بجائے پیداوار کرنے والی امت ہو۔ جب کچھ کہے گی تو اس پر عمل کرے گی۔ اور جب عمل کرے گی تو کامیاب ہو گی۔ اور جب کامیاب ہو گی تو توفیق اس کے شامل حال ہو گی۔

ایک شاعر کہتا ہے:

تو بنا عزیمت کے حصول امر کی امید رکھتا ہے جبکہ تیرے پاس امیدوں وآرزوؤں کی کثرت ہے۔ کم امید رکھ کیونکہ تجھ میں کافی سستی وکاہلی ہے۔ اور لاپرواہی کی طرح تجھ کو کوئی اور چیز نقصان دینے والی نہیں ہے۔

فرمان الٰہی ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو جاؤ۔ (جمعہ /۹–۱۰)

اللہ تعالی میرے اور آپ کے لیے قرآن و حدیث میں برکت عطا فرمائے اور ان دونوں میں موجود آیتوں، ذکر وحکمت سے مجھے اور آپ کو نفع پہنچائے۔ مجھے جو عرض کرنا تھا عرض کر دیا۔ اگر یہ باتیں حق اور صواب ہیں تو اللہ کی جانب سے ہیں، اور اگر غلط ہیں تو یہ میری ذات اور شیطان کی طرف سے ہیں۔ میں اللہ سے ہر گناہ اور غلطی کی اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مرد و عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں لہذا اللہ ہی سے مغفرت طلب کرو، اسی سے توبہ کرو۔ بیشک ہمارا رب بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ:

بندگان الٰہی: اللہ سے خوف کھایئے اور جان لیجیے کہ لاپرواہی، کوتاہی اور بے توجہی یہ تمام چیزیں ہی نیک معاملات کو ضائع کرنے، اس کو فوت کرنے اور اس میں بے رغبتی پر دلالت کرتی ہیں۔ جو سمجھدار مومنوں کی صفات میں سے نہیں ہیں۔ ایک سمجھ دار مومن وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ اس سے ہر اس چیز کے بارے میں حساب لیا جائے گا جو اس نے ضائع کر دیا ہے جس کا اس مومن کے اوپر، خواہ اس کا تعلق سماج یا اداراہ یا فرد سے ہو۔ اپنے دین و دنیا کی مصلحتوں میں سے نہ ضائع کرنا واجب تھا۔ کیونکہ ان سب کا حکم برابر ہے۔ کیونکہ شعور و عزیمت لاپرواہی کو دور کرتے ہیں جس طرح دھوکنی لوہے کے میل و کچیل کو دور کرتی ہے۔ شعور اور عزیمت سے ہی ایک آدمی بناوٹی کمال کی بیماری سے دور بھاگتا ہے جو اس میں مبتلا لوگوں کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ غلطیوں کی اصلاح اور سوراخوں کو بند کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شعور اور عزیمت ایک باشعور وباعزیمت شخص کو اہم واہم ترین، فاضل و مفضول کے درمیان تمیز کرنا سکھاتی ہے۔ شعور و عزیمت ہی اس قاتلانہ ٹال مٹول کا خاتمہ کرتی ہے جو آج کا کام کل پر ٹال دینے کا سبب ہے۔ نیز ان کی علامت و نشانی کا بھی خاتمہ کرتی ہے جن کے سینوں پر لاپرواہی سوار ہے۔ جس سے ان کا شعار و علامت یہ بن جاتا ہے کہ آج کا کام کل پر مت ٹال۔

بلاشبہ اسلامی شریعت ان نصوص سے بھری ہوئی ہے جو محنت، جفاکشی اور دوڑ دھوپ کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ لاپرواہی، کوتاہی اور ٹال مٹول سے منع کرتی ہیں۔ بے شک ان میں سب سے جامع تعبیر افراد کی سطح پر نبی کریم کا یہ قول ہے کہ طاقتور مومن کمزور مومن کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ لیکن ہر ایک میں خیر و بھلائی ہے۔ اس چیز کی تمنا اور حرص کرو جو تمھارے لیے نفع بخش ہے۔ اللہ سے مدد طلب کرو۔ اگر تمھارے ساتھ کچھ پیش آتا ہے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا۔ لیکن یہ کہو کہ یہ اللہ کی تقدیر ہے اور اس نے جو چاہا کیا۔ کیونکہ اگر مگر شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

اور امت کے لیے جماعت کی سطح پر سب سے زیادہ جامع حضرت محمد مصطفی کا یہ قول ہے:: ”تم میں کا ہر ایک راعی یعنی نگراں و نگہبان ہے اور تم میں کا ہر ایک اپنے ماتحتوں کے بارے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ امام نگراں ہے اور اپنی رعایا کے بارے میں ذمہ دار ہے، آدمی اپنے اہل خانہ کا نگراں ہے اور اپنی رعایا کے بارے میں ذمہ دار ہے، اسی طرح عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اپنی رعایا کی ذمہ دار ہے اور خادم اپنے مالک کے مال کا نگراں ہے اور اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے۔ اس طرح سے تم میں کا ہر کوئی نگراں اور نگہبان ہے اور اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے۔“

***

اولیاءاوران کے کرامات: ایک تحقیقی جائزہ

مولانا محمد ایوب سلفی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

صحابہ وتابعین اور سلف صالحین شریعت اسلامیہ، اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصطلاحات کو سمجھنے میں کافی حد تک غلطیوں سے محفوظ تھے۔ان کے افکار ونظریات صحیح، سلیم اور درست تھے۔ان کو جب سے شریعت اسلامیہ کا مکلّف بنایا گیا تبھی سے انھوں نے اپنی پوری توجہ شریعت فہمی اور ان کے تقاضے کو پورا کرنے کی جانب مبذول رکھی۔انھوں نے اپنی استطاعت بھر اللہ کی عبادت اور بندگی کے ذریعہ اللہ کو راضی اور خوش کرنے کی کوشش کی، وہ لوگ دنیا وآخرت میں نفع بخش اعمال اور خیر وصلاح کے زیادہ حریص تھے، اللہ کی رضا اور اعمال خیر سے دور کرنے والے افکار ونظریات سے ہمیشہ دور رہتے، وہ بولتے کم تھے مگر اعمال حسنہ، نیکی وصلاح تقوی وطہارت، اور اخلاق وکردار کی بلند سطح پر فائز تھے، امتداد زمانہ کے ساتھ جب باتیں زیادہ ہونے لگیں، سنت اور شریعت سے لوگ ہٹنے لگے، خارجی افکار ونظریات سے متاثر ہونے لگے، غیر اسلامی افکار ونظریات نے فکر سلیم کو للکارا، فکری انحرافات نے اپنا سکہ جمانا شروع کر دیا تو اعمال صالحہ، اور حسنات وخیرات کا تناسب بھی کم ہونے لگا، لوگ دھیرے دھیرے کتاب وسنت سے دور ہونے لگے، محبت ومودت کی جگہ اختلاف وانتشار نے لے لیا، شرعی الفاظ واصطلاحات کے مفاہیم بھی بدلنے لگے، لوگوں نے اپنی مرضی کے مطابق شرعی اصطلاحات کی تشریح کی، شریعت کی دو اہم اصطلاح اولیاء اور کرامات بھی اس زد میں آئیں، لوگوں نے ان اصطلاحات کے معانی ومفاہیم کے سلسلے میں بھی مختلف ومتضاد رائیں ظاہر کیں، کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ، ان کے اقوال وآراء کی بھول بھلیوں میں ان کا صحیح اور درست معنی گم ہو کر رہ گیا، کرامات اولیاء کے سلسلے میں لوگوں کی چند رائیں درج ذیل ہیں:

☆ اہل تصوف نے کرامات کے سلسلے میں بڑی مبالغہ آرائی کا مظاہرہ کیا، انھوں نے اسے کشف والہام کا نام دیا اور وہ اس حد تک آگے نکل گئے کہ ان کے اعمال وحرکات اور افکار ونظریات کا شریعت اور عقل سے کوئی تعلق باقی نہ رہا۔ان کی کارستانیوں اور افکار ونظریات کو جاننے کے لیے الطبقات الکبری للشعرانی، جامع کرامات الأولیاء لابن الملقن اور کرامات الأولیاء للنبہانی کا مطالعہ مفید ہوگا۔

کتاب وسنت سے دوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ حالات بالکل سنگین ہو گئے، سادہ لوح اور سیدھے سادے لوگوں نے کھل کر ان کی تصدیق کی اور ان اہل تصوف کے باطل نظریات کی تشہیر ہونے لگی، صوفیوں کے خود ساختہ کرامات نے لوگوں کی عقل وشعور کو مرعوب کر دیا۔

☆ رافضہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ نے کرامات کے مفہوم میں اس قدر توسع پیدا کیا کہ انھوں نے کرامات اولیاء کو انبیاء ورسل کے معجزات سے تشبیہ دی۔

☆ معتزلہ اور عقلاء کی جماعت نے کرامات کا سرے سے انکار کیا اور کہا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

☆ جادوگروں اور شعبدہ بازوں نے اپنی مافوق العادۃ کارستانیوں اور سفلی اعمال وحرکات کے ذریعہ لوگوں کو خوب خوب گمراہ کیا اور اپنے اعمال وحرکات کو کرامات اولیاء کا نام دیا۔

☆ اہل سنت نے افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال اور توسط کی راہ اپنائی اور فکری انحرافات اور گمراہیوں سے محفوظ رہے۔

ذیل کی تفصیلات میں اولیاء اوران کے کرامات سے متعلق امت کی گمراہیوں اور اصول وقواعد اور شرعی دلائل کی روشنی میں صحیح موقف واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔تفصیلات ذکر کرنے سے قبل ولی اور ولایت کا صحیح مفہوم واضح کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ولایت کا معنی ومفہوم:

ابن فارس کا کہنا ہے کہ واؤ، لام، اور یاء ان تین حروف سے مل کر ولی بنا ہے جو قربت کا معنی دیتا ہے۔عربی میں "تباعد بعد ولي" بولتے ہیں،یعنی قریب رہنے کے بعد وہ دور ہوگیا۔اسی سے مولی بھی ہے جو آزاد کردہ غلام،آزاد کرنے والے مالک،حلیف، چچازاد بھائی،ساتھی اور پڑوسی کے معنی میں مستعمل ہے۔اسی طرح وہ شخص جو دوسرے کے معاملات کا ذمہ دار ہو اسے ولی کہا جاتا ہے''۔(دیکھئے معجم مقاییس اللغۃ:۶/۱۴۱اور القاموس المحیط ص۱۷۳۲، ومختار الصحاح:ص۷۳۶ وغیرہ)

وِلایت واؤ کے فتحہ وکسرہ دونوں کے ساتھ بولا جاتا ہے جو نصرت کے معنی میں مستعمل ہے۔اسی سے''تولی الامر'' ہے، کسی کے کام کی ذمہ داری لینا اس کے کام کے لیے مستعد اور تیار رہنا ولی اور مولی بھی اسی معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ (دیکھئے مفردات الفاظ القرآن ص۸۸۵للراغب الاصفہانی)

ولایت کا شرعی مفہوم:

ولایت کا شرعی مفہوم اللہ تعالی کے اس فرمان سے واضح ہے: ﴿أَلا إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ، الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ، لَهُمُ الْبُشْرَى فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ الآخِرَةِ لاَ تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (یونس:۶۲-۶۴)

سنو اللہ کے اولیاء اور اس سے نیازمندانہ تعلق رکھنے والوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے جو لوگ اللہ پر کامل ایمان لاتے اور تقوی کی زندگی اختیار کرتے ہیں (یہی دراصل اللہ کے حقیقی ولی ہیں) ان کے لیے دنیا اور آخرت میں خوشخبری ہے،اللہ کے احکام وکلمات میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر مومن ومتقی بندے اللہ کے سچے ولی ہیں اور یہی ولایت کا شرعی مفہوم ہے۔اس عام مفہوم میں انبیاء کرام ورسل بھی داخل ہیں بلکہ وہ ولایت کے سب سے بلند مقام پر فائز ہیں، وہ لوگ اولیاء اللہ کے سردار اور رہنما ہیں۔

لیکن عام اصطلاح میں اولیاء سے مراد انبیاء کے علاوہ اللہ کے نیک ،مومن اور متقی بندے ہیں ۔لہذا یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ ہر مومن ومتقی بندہ جو نبی نہ ہو وہ اللہ کا ولی ہے۔

اہل سنت کے نزدیک ایمان قول وعمل کا نام ہے۔قول سے دل کی تصدیق، دل کا عمل مثلا نیت، اخلاص، خوف ورجاء اور زبان سے اقرار بھی مراد ہے، اعضاء وجوارح کے ذریعہ اعمال بھی ایمان کے اجزاء میں شامل ہیں اور دل کی تصدیق پختہ یقین کو کہتے ہیں۔

تقوی اللہ ورسول کی سچی اطاعت اور نواہی ومنہیات سے کلی اجتناب کو کہتے ہیں، اگر تقوی کو بر کے ساتھ ملا دیا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ تقوی تمام معاصی سے اجتناب اور ''بر'' ہر قسم کے بھلائی کا کام کرنے کا نام ہے۔(دیکھئے: تیسر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان للشیخ عبدالرحمٰن السعدی ص۱۲۰)

ابن رجب رحمہ اللہ کا کہنا ہے: محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کی سنت وسیرت کی اطاعت وپیروی کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اللہ کا تقرب ولایت اور محبت حاصل ہو، اگر کوئی ان چیزوں کے علاوہ دوسری راہ اختیار کر کے ولایت کا دعوی کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے، اور اس کا دعوی بھی جھوٹا ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے مشرکین مکہ غیر اللہ کی عبادت وبندگی کرتے اور اللہ کے دوست اور قریبی ہونے کا دعوی کرتے تھے۔(دیکھئے جامع العلوم والحکم:۲/۳۳۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ولی کی تعریف بایں الفاظ کی ہے:''اللہ کے ولی سے مراد اللہ کی اطاعت پر ہمیشگی اور مداومت برتنے والا اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنے والا ہے''۔(دیکھئے فتح الباری:۱۱/۳۴۲)

اولیاءاللہ کے مراتب:

اولیاءاللہ کے دو مراتب ہیں:(۱) ایک مرتبہ پر اولیاءاللہ کی وہ جماعت فائز ہے جو صرف فرض عبادات کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرتی ہے۔ یہ دائیں ہاتھ والے میانہ رو لوگوں کی جماعت ہے۔ دوسرا مرتبہ فرائض کے ساتھ سنن ونوافل کے ذریعہ بھی اللہ کا تقرب حاصل کرنے والوں کا ہے۔ یہ لوگ سابقین اولین میں سے ہیں۔اللہ تعالی نے سورہ واقعہ، سورہ رحمان، مطففین اور فاطر وغیرہ میں ان دونوں درجوں اور مرتبوں کو بیان فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿فأصحاب الميمنة ما أصحاب الميمنة﴾ (الواقعۃ:۸) دائیں ہاتھ والے کیا ہی خوش نصیب ہیں دائیں ہاتھ والے۔

پھر دوسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿والسابقون السابقون أولئك المقربون﴾ (الواقعۃ:۱۰،۱۱) اور آگے والے ان کا کیا پوچھنا، یہی لوگ تو مقرب بندوں میں سے ہیں۔(دیکھئے جامع العلوم والحکم:۲/۳۳۵، والفرقان بین أولیاء الرحمٰن وأولیاء الشیطان ص۲۲)

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ولایت دین کے اندر ایک عظیم مرتبہ ہے۔اس مرتبہ تک وہی شخص رسائی حاصل کرسکتا ہے جو دین وشریعت کا ظاہر وباطن، ہر دو اعتبار سے پابند ہو، مامورات کی بجا آوری کرے اور منہیات ومحرمات سے اجتناب کرے۔ ولایت ایک بلند مقام ہے اور اس مقام تک پہونچنے کے لیے بشکل سیڑھی شریعت اسلامیہ، اس کی تعلیمات، سنت اور سیرت رسول ہیں، اگر کوئی شخص مامورات کو ترک کر کے اور منہیات ومحرمات کا ارتکاب کر کے ولایت کا

دعوی کرتا ہے تو وہ جھوٹا اور اللہ کی آیات کا جھٹلانے والا ہے۔علامہ احمد سعید حمدان ،امام لالکائی کی کتاب کرامات اولیاء اللہ کی تحقیق کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''ولایت کے دو گوشے ہیں ،ایک گوشے کا تعلق بندے کے اعمال سے ہے، بندہ اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے، پھر نوافل کی پابندی اور اہتمام کے ذریعہ عبودیت کے بلند مقام پر پہنچتا ہے، دوسرے گوشے کا تعلق اللہ رب العالمین سے ہے جب بندہ اس کی عبادت کرتا ہے، اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے، اس کی مدد کرتا اور اس کو اطاعت وفرماں برداری کی راہ میں ثبات قدمی عطا فرماتا ہے، کرامات اولیاء ایک اضافی شئ ہے، یہ ولایت کے لیے شرط نہیں''۔(دیکھئے مقدمہ تحقیق کرامات اولیاء اللہ للا لکائی لأحمد سعید حمدان ص ۷)

ولایت اور اولیاء کی فضیلت:

قرآنی آیات کے اندر اللہ تعالی کا اپنے اولیاء کی نصرت وتائید، ان کی اعانت ومدد اور ان کی اصلاح حال کا تذکرہ کرنا، نیز اس بات کی وضاحت کرنا کہ انھیں آخرت میں کسی قسم کا خوف لاحق نہیں ہوگا اور نہ وہ دنیا میں غمگین ہوں گے، اس قسم کی باتیں اولیاء اور ولایت کی فضیلت کے لیے کافی ہیں، نبی کریم ﷺ کی ایک مشہور حدیث سے بھی اولیاء اور ولایت کی فضیلت واضح ہوجاتی ہے، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: "إن الله تعالى قال: من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب وما تقرب إلى عبدي بشئ أحب إلي مما افترضت عليه وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده الذي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وان سألني أعطيته ولئن استعاذني لأعيذنه وما ترددت عن شيء أنا فاعله ترددي عن نفس المؤمن يكره الموت وأنا أكره مسأته". (رواہ البخاری فی الرقاق:۶۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو میں نے اس کے خلاف اعلان جنگ کردیا، میرا بندہ جن چیزوں سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے ان پر فرض کردی ہیں اور میرا بندہ مسلسل نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہوجاتا ہے اور جب وہ میرا محبوب ہوجاتا ہے تو میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے گا تو میں ضرور اس کو دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں ضرور اس کو پناہ دوں گا، مجھے اپنے بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں جو تردد ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں ہوتا، کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور اس کی ناگواری کو میں ناپسند کرتا ہوں۔

اولیاء کی فضیلت کے باب میں جتنی روایتیں وارد ہیں، یہ روایت ان میں سب سے صحیح ہے، اس کے اندر معتدل راہ اپنانے والے اور سابقین اولین دونوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہمارے لیے سب سے پہلے اس حدیث کے مضمون پر غور کرنا

ضروری ہے۔اس حدیث میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کا ولی کون ہے؟اس کی تعریف کیا ہے اور وہ کن صفات سے متصف ہوتا ہے۔دوسری طرف اللہ نے اپنے ولیوں کو بشارت دی ہے اور تیسری طرف اللہ کے ولیوں کی دشمنی پر سخت وعید سنائی گئی ہے، ایک عظیم الشان بشارت اور ایک سخت وعید اس حدیث کے پہلے ہی ٹکڑے میں موجود ہے،جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں نے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

اس جملے میں اللہ تعالی نے اپنے ولیوں کو یہ بشارت دی کہ تمھیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہارا نگراں،کارساز،محافظ اور مددگار ہوں۔

اس حدیث رسول ﷺ کے اندر یہ بات بہت ہی واضح انداز میں بیان کی گی ہے کہ اولیاء وہ لوگ ہیں جو فرائض ونوافل کا اہتمام کر کے اپنے رب کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔فرائض ونوافل کے اہتمام ہی کی وجہ سے انھیں ولایت کا بلند مقام عطا کیا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

فرائض ونوافل کا ذکر کرنے کے بعد اس حدیث میں یہ کہا گیا ہے:

.....میرا بندہ جب فرائض ونوافل کا پابند بن جاتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور میں اس سے اس قدر محبت کرنے لگتا ہوں کہ اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے الخ.....۔

حدیث رسول ﷺ کے اس ٹکڑے کو لے کر صوفیوں اور گمراہ پیروں نے سیدھے سادے لوگوں کو زبردست انداز سے دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے،اور اس سے ان لوگوں نے ''حلول واتحاد'' کے عقیدے پر دلیل قائم کرنے کی کوشش کی ہے،ان لوگوں نے ان الفاظ کو آڑ بنا کر کتاب وسنت کے دیگر تمام نصوص کو پس پشت ڈال دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں مختلف ائمہ وعلماء کے اقوال کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہاں یہ الفاظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہیں بلکہ یہ بطور مجاز وکنایہ استعمال ہوئے ہیں۔

آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور ومعروف عالم دین علامہ طوفی کا قول ذکر فرمایا ہے،آپ فرماتے ہیں:''جن علماء کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث کے یہ الفاظ بطور مجاز وکنایہ استعمال ہوئے ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ محبوب بندے کو اللہ کی ایسی تائید،نصرت اور اعانت حاصل ہوتی ہے جیسے انسان کے یہ اعضاء وجوارح،کان،آنکھ، ہاتھ پاؤں اس کے معاون ومددگار ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں "فبي يسمع وبي يبصر وبي يبطش وبي يمشي" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں،یعنی وہ میرے ذریعہ سنتا ہے،دیکھتا ہے،میرے ذریعہ کسی چیز کو گرفت میں لیتا ہے اور چلتا ہے''۔(دیکھئے فتح الباری:۱۱/۳۴۴)

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کا یہ مفہوم بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ کے صالح اور متقی بندے اس کے محبوب ہو جاتے ہیں تو انھیں اللہ کی پوری حمایت وتائید اور نصرت واعانت حاصل ہو جاتی ہے،اللہ انھیں اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماتا ہے اور ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے مطابق اعمال کرنے لگتے ہیں،وہ وہی کچھ سنتے اور دیکھتے ہیں

جواللہ کو پسند ہے وہ ان ہی چیزوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور وہیں جاتے ہیں جس کے کرنے اور جہاں جانے کی اجازت اللہ نے انھیں دی ہے۔(دیکھئے فتح الباری:۱۱/۳۴۴)

رسالہ قشیریہ کے محشی علامہ مصطفیٰ العروسی نے لکھا ہے:

''حدیث کے ان الفاظ کا مطلب جیسا کہ اس کے شارح شیخ الاسلام زکریا انصاری نے اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے محبوب بندوں کو خیر کی توفیق دیتا اوران کے ظاہری وباطنی جوارح واعضاء کی گناہ سے حفاظت کرتا ہے۔اس مفہوم کے سوا حدیث کے اس ٹکڑے کا جو مفہوم بیان کیا جاتا ہے اس سے تمہیں دھوکا نہ کھانا چاہیے''۔(دیکھئے نتائج الافکار القدسیۃ ج۲ص۲۰۳)

ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ:

بعض لوگ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ قرآن اور احادیث میں مجاز اور کنایے کے طور پر ایسے الفاظ اور جملے استعمال ہی کیوں کیے گئے جن سے ایک عام انسان دھوکہ کھا سکتا ہے،اس سوال کے کئی جوابات دیئے جاسکتے ہیں،ذیل میں چند جوابات پر اکتفا کیا جاتا ہے:

☆ اگر قرآن وحدیث میں اس طرح کے متشابہات نہ ہوتے تو انسان کی عقل وفہم کی آزمائش ادھوری رہ جاتی۔

☆ اللہ تعالی کی ذات وصفات کی حقیقتیں انسانی عقل وفہم سے بہت بلند ہیں،لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ انسان کو ان حقیقتوں کا اجمالی اور قابل فہم تصور دیا جاتا۔اس لیے خود اس کی زبان اور اس کے الفاظ میں باتیں کہی گئی ہیں تا کہ انھیں سمجھ کر وہ اپنے خالق ومالک کی طرف دوڑ سکے،اس سے قریب ہوسکے اور اس کی شفقت اور عنایت کا مستحق بن سکے،اسی کے ساتھ ساتھ اس کی سزا،اس کے عذاب اور اس کی ناراضگی سے دور بھاگ سکے،دنیا کی زندگی آزمائشی زندگی ہے،لہذا اللہ تعالی انسانوں کو آزمائش کے دور سے بھی گذارنا چاہتا ہے اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی انسان سے بعض حقیقتیں پوشیدہ رکھ کر انھیں آزماتا ہے۔

☆ دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں میں مجاز اور استعارے،کنایے اور تمثیل کا استعمال عام ہے،اگر ان سب کو خارج کر دیا جائے تو پھر گہرے معانی کا ادراک اور ان کا سمجھنا،سمجھانا محال ہوجائے گا،دوسری طرف زبان کی لطافت وبلاغت بھی ختم ہوجائے گی۔

☆ اس سلسلے میں ایک عام سی اور آخری بات یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ سے کوئی عاقل اور راسخ العلم آدمی دھوکہ نہیں کھاتا بلکہ باطل افکار ونظریات کے حاملین اپنے غلط مقاصد حاصل کرنے کے لیے سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

(جاری)

☆☆☆

دعوت إلی اللہ، ضرورت، امکانات اور وسائل

محمد اسلم مبارک پوری

''دعوت الی اللہ'' کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے بالعموم یہی سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کی طرف لوگوں کو بلانا، دوسروں کو کتاب وسنت کی باتیں بتانا اور ان کی اس انداز میں رہنمائی اور تربیت کرنا کہ ان کی زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہوجائے۔

عربی لغت کے اعتبار سے ''دعوت'' کے کئی معانی ہیں جن کا محور ہے: کسی متعین مقصد کے لیے آواز اور گفتگو کے ذریعہ اپنی طرف مائل کرنا۔ ''دعوت'' : دعا یدعو کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے: بلانا، پکارنا، اپنی طرف متوجہ کرنا۔ معجم مقاییس اللغة (۲/۲۷۹) الصحاح (ص:۳۴۳) لسان العرب (۱۴/ ۲۵۷) کسی شخص کو اپنے گھر کھانے کے لیے بلایا جاتا ہے تو اسے بھی ''دعوت'' کہتے ہیں۔ اس لیے دعوت کا مطلب ہوا: کسی متعین مقصد کے لیے لوگوں کو اپنی طرف بلانا۔ اور دینی اصطلاح میں ''دعوت'' کا مطلب ہوا: ''دعوة الناس إلى الإسلام بالقول والفعل'' یعنی قول وفعل کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا یا مائل کرنا۔ تفسیر طبری (۱۱/۵۳) نضرة النعیم (ص:۱۹۴۵)

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں: ''المقصود بالدعوة إلى الله : الدعوة إلى دينه ، وهو الإسلام'' دعوت الی اللہ سے مراد اللہ تعالی کے دین اسلام کی طرف بلانا ہے۔ أصول الدعوة (ص:۵)

دعوت کا اطلاق ''دین'' اور ''عبادت'' پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿له دعوة الحق﴾ [الرعد: ۱۴] اللہ ہی کو پکارنا عبادت ہے۔ کیوں کہ کائنات کا خالق، مالک اور مدبر صرف وہی ہے، اس لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

دعوت کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ مدعو کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کی دعوت قبول کرلے تو ہماری ذمہ داری ختم ہوگئی، بلکہ مزید بڑھ گئی کیوں کہ اس کی تربیت اور اس کا تزکیہ کرنا ہماری دعوتی ذمہ داری کا ایک اہم حصہ ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿هو الذي بعث في الأميين رسولاً منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين﴾ [الجمعة :۲] وہی وہ ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

دعوت وتبلیغ میں الاہم فالاہم کے اصول کو اپناتے ہوئے کلمہ شہادت کے بعد سب سے پہلے ایمان اور اسلام کے

ارکان کی دعوت دینی چاہیے۔حدیث معاذ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔صحیح البخاری (۷۳۷۲)

اس حدیث کی روشنی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ ــ رحمہ اللہ ــ رقم طراز ہیں:

هي : الدعوة إلى الإيمان به ، وبما جاء ت به رسلُه بتصديقهم فيما أخبروا به ، وطاعتُهم فيما أمَروا. وذلك يتضمّن الدعوةَ إلى الشهادتين وإقامِ الصلاة وإيتاءِ الزكاة وصومِ رمضان وحَجِّ البيت ، والدعوةَ إلى الإيمان بالله ومـلائكته وكتبه ورسله والبعث بعد الموت والإيمانِ بالقدر خيره وشره ، والدعوة إلى أن يعبد العبد ربه كأنه يراه. مجموع الفتاوى (۱۵/ ۱۵۷-۱۵۸)

دعوت انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا عظیم فریضہ ہے۔اور یہی ان کی بعثت کا مقصد بھی۔جتنے بھی انبیاء کرام اس دار فانی میں بھیجے گئے سبھی نے اس جلیل القدر کام کو انجام دیا۔اخیر میں اللہ رب العزت نے نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔آپ کی بعثت کو دنیا کی ہر قوم، ہر طبقہ اور ہر ملک کے لیے کامل ہمہ گیر اور دائمی نبوت قرار دیا۔منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد سعی پیہم اور جہد مسلسل کے ساتھ پیغام ربانی کو پوری انسانیت تک پہنچایا۔اور عرب دنیا کو عروج واستحکام بخشا۔ بداخلاقی اور انارکی کو ختم کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی عطا کی۔نئی سمت دی۔نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نئی ثقافت، نئی تہذیب، نیا ایمان، نیا یقین، نئی نسل، نیا سماج، نیا تمدن اور نیا معاشرہ دیا۔انبیاء ورسل کے بعد دعوت وہدایت کا کام خیر امت کی ذمہ داری میں آ گیا۔امت مسلمہ کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ داعی ہے۔علماء انبیاء کرام کے مال ودولت کے وارث نہ بن کر کے دین کی تبلیغ واشاعت کے وارث بنے۔اس لیے ان کی ذمہ داری انبیاء کرام کی ذمہ داریوں کی طرح بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے۔اللہ سبحانہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وكذلك جعلناكم أمة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيداً ﴾[البقرة :۱۴۳]اے مسلمانو! ہم نے تم کو ایک معتدل اور بہترین امت بنایا۔تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں۔دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله﴾[آل عمران : ۱۱۰] تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اس امت کی وسطیت اور خیریّت امت دعوت ہونے کی حیثیت سے ہے۔کسی اور چیز کی وجہ سے نہیں۔ان کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برائی سے بچاتے ہیں۔اسی میں ان کی دینی اور دنیاوی فلاح وکامرانی ہے ﴿وأولائك هم المفلحون ﴾[آل عمران:۱۰۴]درحقیقت یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے خیر امت کو خطاب کر کے فرمایا: ''بلغوا عني ولو آية'' صحيح البخاری

(۳۴۶۱) میری طرف سے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اسے بھی لوگوں تک پہنچاؤ۔

حافظ ابن حجر- رحمہ اللہ- نے اس حدیث کے حوالہ سے ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے بجائے آیت قرآنیہ کے پہنچانے کا ذکر فرمایا' تاکہ عامۃ الناس کے لیے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جب قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب العالمین نے لی ہے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی تاکید اس قدر شدید ہے تو احادیث نبویہ کو دوسروں تک پہنچانے کی تاکید کس قدر زیادہ ہوگی۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری (۶/۵۷۵)

نیز ان آیات بینات میں دعوت الی اللہ کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی پڑتی ہے۔ جب امت محمدیہ کی دینی و دنیاوی فوز و فلاح اسی دعوتی عمل سے مربوط ہے تو اس کی ضرورت ہمہ وقت کے لیے ہے۔ یعنی جب تک دنیا قائم رہے گی دعوت کی ضرورت رہے گی' اور دعوت کا کام چلتا رہے گا۔ کیوں کہ شرک و کفر اللہ کو ہرگز پسند نہیں ہے۔ اس کی اصل منشا تو اقامت دین ہے۔ ﴿إن الدين عند الله الإسلام﴾ [آل عمران : ۱۹] بیشک اللہ تعالی کے نزدیک محبوب دین اسلام ہی ہے ﴿ هو الذى أرسل رسوله بالهدى و دينِ الحق ليُظهره على الدين كله ولو كره المشركون ﴾ [التوبة : ۳۳، الصف: ۹] اللہ رب العزت نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے ﴿ويكون الدين كله لله﴾ [البقرة : ۱۹۳] اور سارا دین اللہ کا ہو جائے ﴿يريدون ليطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نورِه ولو كره الكافرون﴾ [الصف: ۸] معاندین اسلام چاہتے ہی ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں' اور اللہ تعالی اپنے دین کو کمال تک پہنچانے والا ہے' چاہے ان کو کتنا ہی برا لگے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿ومن يبتغ غيرَ الإسلامِ ديناً فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين﴾ [آل عمران: ۸۵] جو اسلام کے علاوہ اور دین تلاش کرے گا اس سے اس دین کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔ اس موضوع کے تعلق سے بکثرت روایات اور احادیث ہیں جو اہل علم حضرات سے مخفی نہیں ہیں۔

جہاں تک امکانات کا تعلق ہے تو دعوت کے امکانات وطن عزیز میں بہت زیادہ اور لامحدود ہیں' بشرطیکہ ایک منظم طریقے سے کیا جائے۔ اور جو طبقہ جتنا پڑھا لکھا ہوگا' اور تہذیب و تمدن سے بہرہ ور ہوگا' اس میں اتنا ہی دعوت کا مجال وسیع ہوگا۔ بعض قوموں میں تو اس کے امکانات نہایت روشن ہیں۔ اور بعض علاقے تو دعوتی کاز کے لیے بہت زرخیز ہیں' بالخصوص جنوبی ہند کے علاقے۔

آج سے تقریباً چالیس سال قبل مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری -رحمہ اللہ تعالی- نے ہندوستان میں دعوت کے امکانات پر ایک جائزہ پیش کیا تھا' جو موقر عربی رسالہ: مجلة الجامعة السلفية، ماہ فروری ۱۹۸۲ء میں چھپا ہوا ہے۔ یہ تحریر دراصل مولانا مبارک پوری -رحمہ اللہ- کی غیر مطبوعہ کتاب: ''تطور الشعوب والديانات فى الهند ومجال الدعوة الإسلامية فيها'' کا ایک حصہ ہے۔ اس میں مولانا نے اس ملک میں دعوت کے امکانات پر تفصیلی گفتگو کی ہے' جس کا خلاصہ

درجہ ذیل ہے۔

أرجى منطقة في نجاح الدعوة هو جنوب الهند ، وأرجى طبقة هي طبقة المنبوذين . فالهنادك الذين يسكنون في منطقة جنوب الهند لا يحملون في قلوبهم وصدورهم كبير حقد وضَغِينة ضد المسلمين ، وليست فيهم عصبية دينية . . . . لو اعتنق أحد منهم الإسلام لا يتعرضون له بالضرب والاضطهاد والتشريد والمطاردة . یعنی جہاں دعوت کی کامیابی کی زیادہ امید ہے، وہ جنوب ہند کا علاقہ ہے۔ اور جس طبقہ میں زیادہ امید کی جاسکتی ہے وہ اچھوت اور دلت طبقہ ہے۔ کیوں کہ غیر مسلم برادران وطن جو جنوب ہند میں رہتے ہیں، تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف زیادہ نفرت نہیں پائی جاتی ہے، اور نہ ہی ان کے دلوں میں دینی تعصب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی مشرف بہ اسلام ہوتا ہے تو وہ اسے ڈراتے، دھمکاتے، مارتے، پیٹتے، بھگاتے اور شہر بدر نہیں کرتے ہیں، اور نہ ہی اس سے بغض وعناد رکھتے ہیں۔

لیکن جب ہم جنوب ہند سے شمال کی طرف رخ کرتے ہیں تو وہاں کی صورت حال بالکل برعکس اور ناگفتہ بہ نظر آتی ہے۔ یہاں کچھ قوموں میں دینی عصبیت انتہائی درجے تک پائی جاتی ہے، جو مسلمانوں سے حد درجہ کھلی عداوت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے دروازے کے سامنے سے گزرنے بھی نہیں دیتے ہیں۔ اور کچھ قوموں میں بغض وعداوت اور دشمنی کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ مسلمانوں سے نہایت الفت ومحبت سے پیش آتے ہیں۔ بلکہ جب مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو ادب واحترام میں ہاتھ اٹھا کر سلام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ایسے گھلے ملے رہتے ہیں جیسے ایک مواطن دوسرے مواطن سے، اور ایک شہری دوسرے شہری سے۔ ان میں بھی دعوت کے کامیاب ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔

اتر بھارت کی طرح مشرقی بھارت میں بھی تعصب اور نفرت کی آندھی کچھ زیادہ ہے۔ شمال مغرب میں مشرق کے بالمقابل نفرت کم پائی جاتی ہے۔ تاہم دونوں خطوں کے باشندوں میں مسلمانوں کے خلاف حقد وعداوت، دشمنی اور نفرت زیادہ ہے۔ جس کا بعض بعض مواقع سے اظہار بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہاں کے پڑھے لکھے اور تہذیب یافتہ طبقے جاہل طبقہ کے بالمقابل کچھ زیادہ ہی تعصب رکھتے ہیں۔ اور اتنی سخت نفرت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اجنبی (غیر ملکی) تصور کرتے ہیں۔ ان کے گاؤں اور محلوں پر حملہ کرتے ہیں۔ ان کی عصمتوں کو تار تار کرتے ہیں۔ ان کی عزتوں سے کھلواڑ کرتے ہیں۔ ان کی جائدادوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ کھیتیوں کو تہس نہس کر دیتے ہیں۔ ان کی مقدسات کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو نہایت حقیر اور گرا ہوا سمجھتے ہیں۔ یہی وہ مہذب طبقہ ہے جو عام لوگوں کے قلوب واذہان میں دشمنی کی روح پھونکتا رہتا ہے۔ ان میں دعوت کے امکانات بہت کم ہیں۔

اسی طرح بعض علاقوں میں جہاں مسلم اقلیت میں ہیں، وہاں دعوت کا کام کرنا پُرخطر اور جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس کے برعکس جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اگر وہاں اِکا دُکا کوئی مسلمان ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسری الجھن میں

پھنس جاتا ہے۔ مسلمانوں میں پائے جانے والے مختلف فرقے اور مسالک اسے اپنی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور اسے صرف اپنا ہم مسلک بنانے کی حتی المقدور کوشش ہی نہیں کرتے، بلکہ جس مسلک کو اختیار کیے ہوئے ہے اس کے نقائص اور عیوب کو بڑھا چڑھا کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اب وہ کون سی راہ اپنائے۔ اسی حیص وبیص میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔ اور ارتداد کو اپنے گلے لگا لیتا ہے۔

اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے رجحانات قبائل اور طبقات کے لحاظ سے بھی مختلف ہیں۔ برہمن، کھتری اور راج پوتوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سختی اور صلابت پائی جاتی ہے۔ مختلف قبائل میں نچلی ذات کے لوگوں میں کوئی سختی اور صلابت نہیں پائی جاتی ہے۔ بلکہ وہ سادہ لوح اور معتدل مزاج ہوتے ہیں۔ وہ مسلمانوں سے نفرت نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ بسا اوقات مسلمان ان کے نزدیک اپنے ہم مذہب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا اعلی طبقہ انہیں ''اچھوت'' سمجھتا ہے۔ اور ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرتا ہے۔ بعض علاقوں میں انہیں مندروں سے نکال دیا جاتا ہے اور جانے بھی نہیں دیا جاتا۔ ان کے ساتھ ظلم وتعدی اور حقارت کا وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو عام مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے ہندوستان میں جہاں دعوت وتبلیغ کے کامیاب ہونے کے امکانات زیادہ ہیں، وہ علاقے ہیں جہاں مسلمانوں سے نفرت کم پائی جاتی ہے۔ اور جس طبقے میں اسلامی دعوت فوز وفلاح سے ہم کنار ہو سکتی ہے وہ اچھوت اور دلت طبقہ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ دیگر طبقات میں دعوت کا کام ہی نہ ہو، یا ان کے اندر بہتری کی امید نہیں کی جا سکتی، ایسا نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے پہلے معاذ بن جبل اور ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہما کو دعوت وتبلیغ کے لیے یمن بھیجا۔ کیونکہ یمن کے لوگوں میں نرمی تھی۔ قساوت قلبی اور صلابت نہیں تھی۔ وہ لوگ جب غزوہ تبوک کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے بارے میں فرمایا، جیسا کہ صحابی جلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"أتاكم أهل اليمن ، هم أرق أفئدة وألين قلوباً" صحيح البخاري (۴۳۸۸) صحيح مسلم (۸۲-۵۲) یمن کے لوگ آئے، وہ نہایت نرم دل ہیں۔ ان کے دلوں میں مہربانی اور شفقت ہے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "أهل اليمن أرق قلوباً ، وألين أفئدة ، وأسمع طاعة" طبراني معجم كبير (۱۷/۲۹۸ حدیث:۸۲۳) علامۃ الالبانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔ صحيح الجامع (۴۶۰۳) اہل یمن نہایت نرم دل، رقیق القلب اور بہت مطیع وفرماں بردار ہیں۔

ایک دوسری روایت میں "أسمع طاعة" کے بجائے ''أبخع طاعة'' ہے۔ مسند الرویانی (۲۴۴) یعنی اطاعت وفرماں برداری میں جان نچھاور کرنے والے ہیں۔

ہندوستان میں دعوت کے امکانات کا جائزہ لینے کے بعد اس کے وسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے عرض ہے کہ "وسائل الأمور کالمقاصد". الموافقات للإمام الشاطبی (۲/۳۴) وسائل مقاصد کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ مقصد جتنا اعلی وارفع ہوتا ہے وسیلہ اتنا ہی اہم اور عظیم تلاش کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ایسے وسائل کا استخدام کیا جائے جس میں عصر حاضر میں دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت ہو۔

اپنے افکار وتصورات اور نظریات وخیالات کو دوسروں تک پہنچانے کا طریقہ زمانہ قدیم سے رائج رہا ہے جس کے لیے انسان نے سب سے پہلے زبان کا سہارا لیا۔ اس کے بعد تحریر کے ذریعہ دوسروں کی سوچ کو متاثر کرنے لگا۔ یہ دونوں طریقے آج بھی رائج ہیں اور دعوت کے لیے مفید بھی۔ مگر آج کے سائنسی انقلاب کے زمانے میں ذرائع ابلاغ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا ہے وہ محیر العقول اور انتہائی دوررس اور زود اثر ہے۔ جدید وسائل میں انٹرنیٹ کی بہت اہمیت ہے۔ پوری دنیا اس سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی برق رفتاری، قوتِ تاثیر اور ذہن ونظر کو قابو کر لینے کی صلاحیت نے دوسرے تمام وسائل اور ذرائع کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ انسان اس کا اس قدر اسیر بن چکا ہے کہ آج وہی سوچتا اور سمجھتا ہے جو میڈیا اسے دکھاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر جدید مواصلات اور ذرائع ابلاغ کے استعمال کو بھی ممکن بنایا جائے۔

اسی طرح دعوت وتبلیغ کی مشہور تنظیموں اور مملکت سعودیہ عربیہ میں پائی جانے والی "جالیات" اور ان کے طریق کار کو جو ہمارے ملک میں دعوتی کاز کے لیے مفید اور مؤثر ہوں، انہیں استعمال کر کے دائرہ تبلیغ کو وسیع کیا جائے۔ اور کتاب وحکمت کی صدائے دل نواز کو ہر گھر تک پہنچایا جائے۔ اور اسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں اور تحریروں، باطل نظریات اور غلط خیالات کا دندان شکن جواب دینے کے لیے تجربہ کار، باصلاحیت، علم وعرفان سے بھرپور، حکمت ودانائی سے لبریز، شرعی علوم میں ماہر، عقلی علوم میں متبحر، حاضر جوابی پر قادر، فن خطابت کے شہسوار اور یکتائے روزگار دعاۃ کی تقرری کی جائے۔ اور اس کے لیے منتخب افراد کو ٹریننگ دی جائے تاکہ وہ اس میدان میں اپنی عمدہ صلاحیتوں کے ذریعہ دعوت کو فروغ دیں۔ انہیں درس وتدریس سے منسلک نہ کر کے صرف دعوتی کام کے لیے فارغ رکھا جائے۔ نیز اغیار کی طرف سے پائے جانے والے شکوک وشبہات، اور بیجا اعتراضات کا مسکت جواب دینے کے لیے اسی سطح پر تیاری کی جائے۔ اور دعوت وتبلیغ کو مفید اور مؤثر بنانے کے لیے مناظراتی تقریر وتحریر کی اہمیت اور افادیت کو نظر انداز کر دینا دانش مندی نہ ہوگی۔

جان لیجئے اگر ہمارے پاس ایسے ماہر اور منجھے ہوئے افراد نہیں ہیں تو عمدہ سے عمدہ وسائل کے باوجود بھی ہماری دعوت کو صحیح منزل نہیں ملے گی۔

☆☆☆

مولانا ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری کی عربی تفسیر

(''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن''-ایک مطالعہ)

راشد حسن سلفی مبارکپوری (نئی دہلی)

قرآن مجید کے معانی ومطالب اور مفاہیم کی توضیح کو اہل علم ''تفسیر'' سے جانتے ہیں، اس علم کی حد درجہ اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد کے علماء کرام اس کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے، قرآن مجید میں غور وفکر اور شعور وآگہی کی بابت عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں: حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن مسعود جو ہمیں قرآن پڑھاتے تھے، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے دس آیتیں سیکھتے تھے اور اس وقت تک آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات میں موجود علم وعمل کو سیکھ نہ لیتے، لہٰذا ہم نے قرآن مجید کو علم اور عمل ہر دو اعتبار سے سیکھا اور نہاں خانۂ دل میں جاگزیں کیا۔ شروع شروع میں صحابہ آیات کی تفسیر اللہ کے رسول ﷺ سے سیکھتے اور باہم اسے محفوظ کرتے، پھر علماء فقہا کا دور آیا، مثلاً، بخاری، مسلم اور اہل سنن اربعہ وغیرہ، جنہوں نے احادیث کی کتابوں میں الگ الگ باب التفسیر یا کتاب التفسیر قائم کیا، پھر تیسرا مرحلہ وہ تھا جس میں باقاعدہ تفسیر کے موضوع پر کتابیں تصنیف کی گئیں، مثلا ابن ماجہ (ت۲۷۳ھ) ابن جریر طبری (ت۳۱۰ھ) ابوبکر بن المنذر (۳۱۸ھ) ابن ابی حاتم (ت۳۲۷ھ) و حاکم (۴۰۵ھ)، ان ساری تفسیروں میں تفسیر ماثور یعنی اللہ کے رسول ﷺ سے منقول تفاسیر کا اہتمام کیا گیا ہے، پھر اس کے بعد چوتھا مرحلہ ایسا آیا جس میں موضوع روایات واسرائیلیات ہر طرح کی چیزیں تفسیر میں جمع کی جانے لگیں۔ پھر بات رائے واجتہاد پر آرکی، الگ الگ موضوعات کو ذہن میں رکھ کر تفسیریں ترتیب دی گئیں، ان میں ''البحر المحیط'' میں ابوحیان نے علم نحو پر ترکیز رکھی ہے، ''مفاتیح الغیب'' میں رازی نے فلاسفہ کے افکار ونظریات پیش کیے ہیں، ''الجامع لأحکام القرآن'' میں قرطبی نے شرعی احکام ومسائل اور فقہ ومعاملات پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ ''الکشف والبیان عن تفسیر القرآن'' میں ثعالبی نے انبیاء کے قصوں پر نگاہ رکھی ہے۔ ان اقسام کے دو بدو حاصل موضوعی انداز کی طرف بھی اہتمام رہا، چنانچہ (قتادہ بن دعامہ السدوسی ت ۱۱۸ھ) نے سب سے پہلے ''الناسخ والمنسوخ'' کے نام سے قرآن کے خاص موضوع پر کتاب لکھی، اسی طرح ابوعبیدہ معمر بن المثنی (ت۲۱۰ھ) نے ''مجاز القرآن'' پر لکھی اور ابوعبید القاسم بن سلام (ت۲۴۴ھ) نے بھی ''الناسخ والمنسوخ'' کے موضوع پر کتاب لکھی، ان تمام کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے۔

علماء اسلام نے تفسیر کے دو طریقے بتائے: ایک تفسیر بالماثور دوسرا تفسیر بالرائے، تفسیر بالماثور کا مرجع خود قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ہیں اور تفسیر بالرائے کا مرجع عقلی استنتاج اور فکری استشہاد ہے، پہلا ممدوح ہے دوسرا مذموم، تفسیر بالماثور کے سلسلے کی مشاہیر کتابیں:

۱- جامع البیان عن تأویل آی القرآن از جریر طبری (ت۔۳۱۰ھ)

۲- الکشف والبیان عن تفسیر القرآن از ثعالبی (ت۔۴۲۹ھ)

۳-معالم التنزیل از بغوی (ت-۵۱۶ھ)
۴-تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیر (ت-۷۷۴ھ)
۵-الدر المنثور فی التفسیر الماثور از سیوطی (ت-۹۱۱ھ)

اور تفسیر بالرأی کے سلسلہ میں مشہور کتابیں یہ ہیں:

۱-مفاتیح الغیب از رازی (ت-۶۰۶ھ)
۲-الجامع لأحکام القرآن از قرطبی (ت-۶۷۱ھ)
۳-ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم از ابوسعود عمادی حنفی (ت-۹۸۲ھ)
۴-فتح القدیر از شوکانی (ت-۱۲۵۰ھ)
۵-روح المعانی از آلوسی (ت-۱۲۷۰ھ)

مذکورہ تمام تفاسیر میں آثار و آحادیث اور عقلیاتی تفکیر کا امتزاج ہے، بس یہاں اغلب کا اعتبار ملحوظ رکھا گیا ہے، ایسا نہیں کہ محض ان میں آراء وافکار ہی ہیں، اسی طرح تفسیر بالماثور کے ضمن میں مذکورہ کتب محض آثار واحادیث پر مشتمل ہیں ایسا بھی نہیں۔

ہندوستان میں کتب تفسیر کی ایک سنہری تاریخ اور درخشندہ تسلسل ہے، اگر ہم اس ضمن میں قلم سے صرف اشاراتی مدد لیں تو بھی حکایت لذیذ دراز گفتم کا مسئلہ آسکتا ہے، جن حضرات کو تفصیل کی ضرورت ہو انہیں مولانا عبدالحی حسنی کی نزھۃ الخواطر، نواب صدیق حسن خان کی ابجد العلوم، غلام علی آزاد بلگرامی کی سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان اور مولانا اسحاق بھٹی کی تاریخی کتابوں پر ایک نگاہ طائرانہ ڈال لینی چاہیے۔

باعظمت مفسرین کے سلسلۃ الذہب کی ایک شاندار کڑی حضرت مولانا ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری مرحوم (۱۸۶۸م-۱۹۴۸م) ہیں۔ مولانا امرتسری نہایت ہی ہمہ جہت عالم تھے، ہر میدان میں مرد مجاہد بن کر کودے، رزم حق و باطل میں فولادی قوت رکھتے تھے، تدریس، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ، مناظرہ و مباحثہ، فرق ضالہ پر نقد و جرح، باطل افکار و نظریات پر رد و انتقاد، القصہ وہ ہر میدان کی صف اول میں رہے، لیلائے علم و دعوت میں مجنونانہ جان نثاری کا شوق اور جذبہ جنون کی حد تک تھا، اسلام کی خاطر جینا اور اسلام کی خاطر مرنا ان کی زندگی کا اولین مقصد بن چکا تھا، ویسے تو وہ ہر میدان میں درہ نایاب گوہر شب تاب تھے مگر اہل باطل سے مناظرہ میں امتیاز حاصل تھا، ان کی کتابوں کی تعداد ایک سو تیس (۱۳۰) کو پہونچتی ہے، ان کی زندگی پر جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو ایسا محسوس ہوا کہ مولانا امرتسری کا اپنے زمانہ میں وہی مقام تھا یا انہوں نے اپنے زمانہ میں وہی کام کیا جو امام ابن تیمیہ (ت-۷۲۸ھ=۱۳۲۸م) نے اپنے زمانہ میں کیا تھا، یعنی اس وقت بھی ابن تیمیہ نے مسیحیت، رافضیت، یہودیت، لادینیت، فلاسفہ، مناطقہ، ملحدین، مبتدعین کا نہ صرف قافیہ تنگ کیا بلکہ صحیح اسلام کی تصویر پیش کی، درء تعارض العقل والنقل، منہاج السنۃ، العقیدۃ الواسطیہ، بیان تلبیس الجہمیہ، الاکلیل فی المتشابہ والتاویل، الرد علی المنطقین، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، قاعدۃ جلیہ، العقیدۃ التدمریۃ، مجموع فتاوی وغیرہ اس سلسلہ کی واضح مثالیں ہیں۔

چنانچہ اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مولانا امرتسری نے کس دل سوزی اور جگر کاوی سے اس وقت کے فتنوں کا پوری پامردی اور

جواں ہمتی سے مقابلہ کیا اور ہر مرحلہ کو کامیابی سے ختم کیا، جب عیسائیت نے سر اٹھایا تو زبانی مناظرہ کے دو بدو پے در پے (۱) عالمگیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت (۲) دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت؟ (۳) اصول البیان فی توضیح القرآن، جیسی گراں قدر کتابیں تحریر فرمائیں، جب آریت کے بال و پر ابھرے تو 'ستیارتھ پرکاش' کے جواب میں 'حق پرکاش' لکھی، ترک اسلام کے جواب میں 'ترک اسلام برترک اسلام' شائع کی۔ اسی طرح اسی فتنہ کے رد میں 'کتاب الرحمٰن' لکھ کر ان کے تار و پو بکھیر دیئے، پھر رنگیلا رسول کے جواب میں 'مقدس رسول' لکھی تو آریت کے خیمہ میں بھونچال آ گیا اور وہ خاموش ہو گئے، اسی طرح حضرت محمد رشی، نماز اربعہ، الہامی کتاب، بحث تناسخ، حدیث وید، اصول آریہ اور القرآن العظیم جیسے رسائل سے اہل اسلام کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، اسی طرح مرزائیت وقادیانیت کے رد میں زندگی وقف کر دی، جنگ کا آغاز تو مولانا محمد حسین بٹالوی (ت۔۱۳۳۸ھ = ۱۹۲۰م) نے کیا تھا مگر اختتام مولانا امرتسری کے ہاتھوں ہوا، یہاں بالکل وہ منظر سامنے آجاتا ہے جس کا سامنا حضرت امام احمد بن حنبل (ت۔۲۴۱ھ = ۸۵۵م) نے کیا تھا، فتنۂ خلق قرآن کے مقابلہ میں تنہا رہے اور پورا عالم اسلام ایک طرف ہو گیا مگر تنہا اس مرد مجاہد کو خدائے واحد وقہار نے فتح ونصرت کا پر کیف نغمہ سنایا، یہاں مولانا امرتسری تنہا لڑے اور اس وقت اس فتنہ کا خاتمہ کیا، گو گردش روزگار پر یہ فتنہ وقتاً فوقتاً اٹھتا رہا، قادیانیت کے سلسلہ میں مولانا کی تحریرات کا شمار قدرے مشکل ہے۔ انہی کے لفظوں میں ملاحظہ ہو: ''مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار نہیں، ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے''۔ اسی طرح مولانا نے باطل افکار ونظریات پہ بھی بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً اہل حدیث کا مذہب، تقلید شخصی وسلفی، فتوحات اہل حدیث، اجتہاد اور تقلید، عصمت النبی وغیرہ، ساتھ ہی ان کی خالص ادبی وعلمی کتابیں بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ مثلاً ادب العرب، التعریفات النحویہ، شریعت اور طریقت اسلام اور برٹش لا وغیرہ، پانچویں اور سب سے آخری قسم جو تفسیر وقرآنی علوم کی ہے، اس شاخ کی بابت مولانا خود رقم طراز ہیں:

''چوتھی شاخ میری تصنیفات کی تفسیر نویسی ہے یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں مگر خاص تفسیر نویسی میں بھی غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے ''تفسیر ثنائی'' غیر مسبوق طرز پر اردو میں لکھی۔ جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے اس کے تھوڑا عرصہ بعد، بلکہ ساتھ ساتھ ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' خاص طرز پر عربی میں لکھی جس کی ملک میں خاص شہرت ہے۔

تیسری تفسیر موسومہ ''بیان الفرقان علی علم البیان'' عربی میں لکھنی شروع کی جس کا ایک حصہ (سورہ بقرہ تک) شائع ہو چکا ہے، باقی زیر غور ہے۔

تفسیر کے متعلق چوتھی کتاب موسومہ ''تفسیر بالرای'' لکھی، اس میں تفسیر بالرای کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر وتراجم قرآن (قادیانی، چکڑالوی، بریلوی اور شیعہ وغیرہ) کی اغلاط پیش کر کے ان کی اصلاح کی گئی، اس کا بھی ایک حصہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے، باقی زیر غور ہے''۔

پانچویں تفسیر برہان التفاسیر کے نام سے تحریر فرمائی، جو ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں علی الأ قساط شائع ہوئی اور خوشی کی بات ہے کہ اب استاذ محترم مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کی عنایت وتوجہ خاص سے شائع ہو کر علمی حلقوں سے

خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن''، مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہے، اس کا دارالسلام ریاض سے شائع شدہ نسخہ ہمارے پیش نگاہ ہے، جس میں تخریج احادیث شیخ عبدالقادر ارناؤوط (ت۔۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴م) کی ہے اور تقدیم ومراجعہ کے باب میں مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (ت۔۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶م) کا نام مکتوب ہے، یہ نسخہ ۸۰ ۷/صفحات پر مشتمل ہے، دیدہ زیب اور جاذب نظر ہونا دارالسلام کی مطبوعات کی خاص پہچان ہے، پہلی طباعت کے طور پر ۲۰۰۲ کا سن درج ہے، کلمۃ الناشر مولانا عبدالمالک مجاہد صاحب کے قلم سے ہے، اس کے بعد مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ''ترجمۃ المفسر'' کے عنوان سے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات ذکر کیے ہیں، اس میں اس تفسیر کے حوالہ سے کچھ گذارشات وتنبیہات بھی ہیں جو کتاب کے پس منظر اور بعض فروگذاشتوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں، مولانا امرتسری نے مقدمہ المفسر کے عنوان سے تین فصلوں اور دس صفحات میں تفسیر کے بعض مبادیات اشاراتی انداز میں تحریر فرمائے ہیں۔

اس کے پس منظر کے حوالہ سے مولانا امرتسری لکھتے ہیں:

''سلف سے خلف تک جب میں نے قرآن مجید کی تفسیرات اور تشریحات کا مطالعہ کیا تو مشکل وپیچیدہ مقامات کی تشریح وتفسیر میں انہیں مختلف پایا، لہٰذا بعض نے سلف صالحین کے آثار سے تفسیر کی، تو بعض نے عقلیاتی دلائل کا سہارا لیا، بایں ہمہ وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ تفسیر کا سب سے بہتر اور افضل طریقہ ''قرآن کی قرآن سے تفسیر'' کا ہے دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ.

اللہ تعالی نے بہترین کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے، جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں، مشہور مفسر امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ ''قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعہ'' ہے کیونکہ ایک چیز قرآن مجید میں ایک جگہ مجملاً آئی ہوتی ہے تو دوسری جگہ مفصل بیان ہوتا ہے اور اگر تمہیں قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کرو، کیوں کہ سنت قرآن مجید کی شارح اور اس کی وضاحت کرنے والی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اول مع حاشیہ فتح البیان ص:۴)، لہٰذا اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے اس کی راہنمائی فرمائی اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور جواب دینے کا سزاوار ہے، اللہ کے فضل سے یہ کتاب تیار ہوئی جو آپ کے سامنے ہے، اس میں پوری کوشش صرف کی ہے، نقص وعیب سے پاکی کا مدعی نہیں غلطیاں عین ممکن ہیں (ص:۳۳)۔ اس کے بعد فصل اول میں ''ما معیار صحۃ التفسیر'' کے عنوان سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر بغیر عربی زبان کی گہری واقفیت کے ناممکن ہے، دلیل کے طور پر چار قرآنی آیات، آثار صحابہ وتابعین کے ساتھ امام ابن تیمیہ، امام ابن القیم اور علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجی کی تصریحات کو خوبصورتی سے یکجا کیا ہے، دوسری فصل میں تفسیر بالرأی کی مذمت بیان کی گئی ہے پھر تیسری اور آخری فصل میں اسباب نزول اور دیگر موضوعات کے حوالہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ''الفوز الکبیر'' سے ایک طویل اقتباس منقول ہے۔

ان تینوں فصلوں پر نگاہ ڈالنے سے کہیں یہ بات مترشح نہیں ہوتی کہ مولانا امرتسری کا فی منہج کیا ہے، ہاں اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کو سب سے افضل اور اہم مانتے ہیں، جو ایک واضح حقیقت بھی ہے، ساتھ ہی عربیت کی پختگی اور

اس کے اسرار ورموز سے گہری واقفیت بشمول دیگر علوم شرعیہ کو ایک مفسر کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں امام رازی کا مشہور قول بھی نقل کیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے مولانا امرتسری تفسیر القرآن بالقرآن کو سب سے افضل سمجھنے کے باوجود امام رازی کے اقوال (ان فصلوں میں) تفسیر رازی سے جابجا نقل کیے ہیں، جن کے متعلق مولانا آزاد کا جملہ شہرت کا حامل ہے: ''اس کتاب (تفسیر رازی) میں تفسیر کے ماسواء ہر چیز ہے''۔ مولانا امرتسری کا صفات کے باب میں کیا عقیدہ تھا اس پر آگے ہم (اعتراضات ومواخذات کے ضمن میں) قدرے تفصیل سے روشنی ڈالیں گے، یہاں ہم چاہتے ہیں کہ بطور مثال کے سورہ فاتحہ کا ترجمہ بعینہ نقل کردیں، جس سے قارئین کو مولانا کا منہج اور اسلوب سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

سورہ فاتحہ مکی ہے جس میں سات آیتیں ہیں۔

طوالت کے خدشہ سے آیات کا ترجمہ قلم انداز کرتے ہیں، حوالہ تحریر ہے تاکہ مراجعت کی جاسکے۔

(الحمد لله) یعنی اے بندو! کہو: اس ذات کے نام سے شروع کرتے ہیں جو رحمٰن ورحیم ہے، ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے، کیونکہ ارشاد ہے: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (علق:۱) مزید فرمایا: قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفَى (النمل:۵۹)، (رب العالمین) اس ذات کے لیے تعریف جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا اور ان کے لیے اسباب رزق معین فرمائے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْأَرْضَ فِیْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَاداً ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ☆وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِیَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا أَقْوَاتَهَا فِیْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاء لِّلسَّائِلِيْنَ (فصلت:۹۔۱۰)، (الرحمن الرحیم) وہ اپنے بندوں پر حد درجہ مہربان ہے کہ اس نے پیدا کیا اور ایمان، اسباب سعادت اور اخروی کامرانی کی جانب پوری رہنمائی فرمائی، ارشاد ہے:

الرَّحْمَنُ☆عَلَّمَ الْقُرْآنَ☆خَلَقَ الْإِنسَانَ ☆ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (رحمٰن:۱۔۴) مزید ارشاد ہے: هُوَ الَّذِیْ يُصَلِّیْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْماً (احزاب:۴۳) شاید کہ دونوں آیتیں مترادف ہیں، لہٰذا اسے سمجھو، (ملك يوم الدين) سے مراد قیامت کا دن ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ثُمَّ مَآ اَدْرٰئكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ☆ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (انفطار:۱۸۔۱۹) (ایاك نعبد) پورے اخلاص کے ساتھ تجھے خالص عبادت اور کامل محبت کا تنہا مستحق وسزاوار سمجھتے ہیں، کیوں کہ ارشاد باری ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاء (بینہ:۵)، مزید ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّٰهِ (بقرہ:۱۶۵)..... پورے سورہ فاتحہ کی تفسیر نقل کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا، کہ بسا اوقات قارئین ان چیزوں کو بوجھ بھی محسوس کرنے لگتے ہیں، اس اقتباس نے کافی حد تک یہ واضح کردیا کہ مولانا امرتسری مرحوم کا انداز تفسیر کیا ہے، ظاہر ہے کہ ایک آیت کا نہایت اختصار کے ساتھ مفہوم بیان کرکے اس سے متعلقہ قرآن مجید سے ایک یا دو یا کئی آیات علی الترتیب ذکر کرتے چلے جاتے ہیں، یہاں بعض خصائص یا طریقۂ تفسیر کی بعض خوبیوں کی طرف اشارہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ **طریقۂ تفسیر**: قرآن مجید کی تفسیر قرآن سے کرتے ہیں، بسا اوقات ایک ہی آیت کی تفہیم کے لیے کئی آیات پے در پے ذکر کرتے چلے جاتے ہیں، سورۂ فاتحہ کی آیت نمبر ۶ ملاحظہ کرسکتے ہیں، اسی طرح دیگر آیات۔

۲۔ **اختصار**: اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، بسا اوقات اجمال اس قدر ہوتا ہے کہ قاری کو سمجھنے میں پریشانی ہوتی ہے، مگر

یہ کمال علمیت اور منتہائے بصیرت ہے۔

۳۔ **جگہ نزول**: سورت کے مدنی یا مکی ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، بہت سارے مقامات پر اس حوالہ سے اختلاف پایا جاتا ہے، مگر اختصار کے پیش نظر اس جانب اشارہ نہیں کرتے۔

۴۔ **ترکیبی ساخت**: بسا اوقات قرآنی آیات کی ترکیبی ساخت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مثلاً (صراط الذین أنعمت علیهم) میں صراط کے منصوب ہونے کی وجہ لکھتے ہیں: یہ صراط المستقیم'' سے عطف بیان کی وجہ سے منصوب ہے۔ پھر اخیر میں (غیر المغضوب) میں غیر کا اعراب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بدل من الموصول السابق ''یعنی مذکورہ اسم موصول سے بدل ہے، اس میں اختصار کو دیکھیے اس درجہ کہ مبتدی رک جائے، اصل میں اشارہ مقصود ہے کہ الذین صراط کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محلاً حالت جر میں ہوگا، لہٰذا ''غیر'' جو حالت جر میں ہے وہ دراصل اسی موصول سے بدل ہے اور یہ معلوم ہے کہ تابع و متبوع کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے۔

۵۔ **فلسفیانہ تعبیرات**: چونکہ مولانا امرتسری منطق و فلسفہ میں بھی غیر معمولی ادراک رکھتے تھے، اس لیے حد درجہ اختصار کے ساتھ کہیں نہ کہیں اس کا ذکر کر جاتے ہیں اور پڑھنے والا شخص جو اس فن سے نسبت نہیں رکھتا حیران رہ جاتا ہے، چنانچہ مولانا اس آیت: ''إنّ الإنسان لظلوم کفّار'' سے متعلق فرماتے ہیں: القضیة مهملة فی حکم الجزئیة، مزید اس آیت: ''و کان الإنسان کفوراً'' کے تحت لکھتے ہیں: القضیة مهملة لا کلیة، پھر اس آیت کے متعلق 'و اذا أنعمنا علی الإنسان مهملة' اسی طرح متعدد مقامات پہ انسان کے ذکر پر صرف ''مہملۃ'' ہی ذکر کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان مقامات پہ انسان کے متعلق یہ بیان نہیں کہ جزء مراد ہے یا کل، بلکہ یہاں مہمل ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہٰذا منطق کی اصطلاح میں جب جملہ یا قضیہ مہمل مستعمل ہو تو مراد 'جز' ہوتا ہے 'کل' نہیں، پس معلوم ہوا کہ 'إن الإنسان لظلوم کفار' میں سارے انسان ظلوم و کفار نہیں بلکہ بعض ہیں، قس علی هذا، (دیکھیے ص: ۷/ پر)

۶۔ **لفظی توضیح**: اگر کہیں کسی لفظ کے مراد و مفہوم میں اختلاف ہے تو اشارہ کر دیتے ہیں جیسے لکھتے ہیں: ''غیر المغضوب'' سے مراد یہود ہیں اور ''ولا الضالین'' سے مراد نصاری ہیں، ساتھ ہی اگر ضرورت ہو تو لفظی توضیح بھی فرماتے ہیں، مثلاً 'أم لکم أیمن' میں 'أیمان' کا ترجمہ عہود سے کیا ہے، ص: ۱۸۷ دیکھیے، اسی طرح 'یوم عصیب' کا ترجمہ یوم شدید سے کیا ہے ص: ۳۲۱۔

۷۔ **احادیث سے استدلال**: استدلالات و شواہد کے لیے آیات کے ساتھ ساتھ کبھی احادیث سے بھی مدد لیتے ہیں، چنانچہ ''و مما رزقنهم ینفقون'' کے تحت لکھتے ہیں: وہ اپنے مال، علم اور جاہ منصب (جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے) کو خیر کی راہ میں لگاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے: وأحسن کما أحسن الله إلیك (قصص: ۷۷) اور نبی ﷺ نے فرمایا: خیرُ الناس من ینفع الناس (کنز: حسن) لوگوں کو فائدہ پہونچانے والا سب سے بہتر شخص ہے، اسی طرح 'مالیس لك به علم' کے تحت ایک آیت اور یہ حدیث نقل کی ہے: 'کفی بالمرء کذباً أن یحدّث بکلّ ماسمع' (مسلم)

انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی چیز بیان کر دے۔ (ص: ۲۸۹)

۸۔ **اشعار سے استدلال**: بسا اوقات مولانا امرتسری کسی لفظ و مفہوم کی توضیح میں اشعار سے مدد لیتے ہیں، چنانچہ

(وماأهل به) کے معنی کو واضح کرنے کے لیے 'کروس بن زید' کا ایک شعر نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ 'إهلال' کا اصل معنی 'رفع الصوت' یعنی آواز بلند کرنا ہوتا ہے، مولانا نے استشہاد کے طور پر ایک شعر ہی نقل کیا ہے جی چاہتا ہے اس سے قبل کا بھی شعر نقل کر دیا جائے تاکہ ترجمہ سے قارئین بھی محظوظ ہوں۔ کروس کہتا ہے:

لئن فرحت بي معقل عند شيبتى لقد فرحت بي بين أيـدى القوابل

أهـل بـه لمـا استهل بصوتـه حسـان الوجـوه لينـات الأنامل

بخدا اگر میرا قبیلہ (میری غیر معمولی فراست کی بنیاد پر) کبرسنی کے عالم میں مجھ سے خوش ہے، تو اس کو خوشی کا حق حاصل ہے، کیوں کہ میری پیدائش کے وقت بھی اسے یہی مسرت حاصل تھی۔

جب اس بچہ نے (مراد شاعر خود ہی ہے) پیدائش کے وقت پہلی آواز نکالی تو خوبصورت چہرے اور نرم خرام ہاتھوں والی عورتیں کیف وسرور میں چیخ اٹھیں۔

آخری شعر میں باریک بلاغی نکتہ ہے، استہل کا فاعل شاعر ہی ہے اور شیبتی میں ضمیر متکلم سے مراد بھی خود شاعر ہی ہے، شاعر کس خوبصورتی سے صیغۂ متکلم سے صیغہ غائب کی طرف منتقل ہوا ہے، کلام عرب میں ایک مشہور مگر لطیف چیز ہے، اسی طرح عورتوں کی خوب روئی سے شاعر کہنا چاہتا ہے کہ عورتیں کوئی بازاری نہیں تھیں بلکہ امیر زادیاں تھیں۔

مولانا شعر سے لفظی استدلال کے ساتھ کبھی تفسیری استدلال بھی کرتے ہیں، مثلاً سورۂ مومن کی آیت نمبر ۶۸ میں ''لعلکم تعقلون'' کے ضمن میں فرماتے ہیں: یعنی شاید کہ سمجھ لو جو تبدیلیاں اور انتقالات پیش آچکے ہیں یا آئیں گے، شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

ستبدى لك الأيام ماكنت جاهلا ويأتيك بالأخبار من لم تزوّد (طرفہ بن العبد)

عنقریب گردش روزگار ظاہر کر دیں گے ان عجائبات سے جن سے تم ناواقف ہو اور ایسا شخص تمہیں خبریں لا پہونچائے گا جس کو تم نے کوئی زاد سفر نہ دیا ہوگا۔

مولانا بسا اوقات مفہوم کی توضیح کے لیے فارسی شعر سے مدد لیتے ہیں، چنانچہ سورہ کہف کی آیت نمبر ۸۲ (وما فعلته عن أمری) کے تحت لکھتے ہیں:

میں نے خواہشات نفس کی بنیاد پر ایسا نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے الہام کے سبب کہا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'وما علمناه من لدنا علما' اور شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

گفتنہ او گفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

رسول کا کہنا اللہ کا کہنا ہے اگر چہ ادائیگی عبداللہ کے حلقوم سے ہو۔

اسی طرح ایک اور مقام پر سورہ انبیاء آیت نمبر ۶۸ / میں لکھتے ہیں:

''أف لكم ولما تعبدون ....'' اف ہے تمہارے اور تمہارے معبودان باطلہ کے لیے کیا تم سمجھتے نہیں کہ ''تمہارے اعمال ضائع ہو گئے تو ان کے پاس کوئی جواب نہ رہا اور کہا اسے آگ میں ڈال دو۔''

جو حجت نماند جفا جوئی را بہ بیکار کردن کشد روئی را

جب ظالم کے پاس دلیل وحجت باقی نہیں رہتی تو وہ جنگ کے لیے اپنے چہرہ کھول دیتا ہے۔

۱۰۔ **شان نزول**: شان نزول کے متعلق ایک ہلکی سی جھلک گذری کہ مولانا مستقلاً کسی واقعہ کے تحت کسی آیت کے نزول کو درست نہیں سمجھتے، مگر بسا اوقات شان نزول کا تذکرہ کرتے ہیں، ''**قل ادعو الله أوادعوا الرحمن**'' ص ۲۴۹/ کے تحت فرماتے ہیں، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اللہ کے رسول ﷺ دعا فرمارہے تھے اے اللہ! اے رحمٰن! تو مشرکوں نے یہ سن کر کہا کہ اسے دیکھو یہ آدمی ہمیں متعدد معبودوں سے ہٹا کر صرف دو معبودوں کی طرف دعوت دیتا ہے۔

۱۱۔ **باطل فرق و مذاهب پر رد**: کبھی کبھی اختصار کے ساتھ فرق باطلہ پر رد کرتے ہیں۔ ص ۳۲۳/ پر شیعوں پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**بقية الله خير لكم...**'' بقیۃ اللہ سے مراد حلال روزی سے جو فائدہ حاصل ہو، ارشاد ہے: ''**لتبتغوا من فضله**'' یہاں فضل کا معنی بھی تجارت کی منفعت ہے، گویا دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، مگر ہائے افسوس! بعض علماء شیعہ نے 'بقیۃ' سے مراد امام مہدی موعود کو لیا ہے۔

اسی طرح مسیحیت پر رد کے لیے دیکھیے ص ۱۷۶/ پر، سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۷۸/ ''**على لسان داؤد و عيسى ابن مريم**'' کے تحت۔

مولانا چونکہ مناظرانہ رنگ وآہنگ کے مالک تھے اس لیے یہ رنگ کہیں نہ کہیں نظر آہی جاتا ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں ہم نے دیکھا، یہی وجہ ہے ایک جگہ قرآن مجید کی اس آیت ''**وان نكثوا أيمانهم...**'' کے تحت مولانا لکھتے ہیں: اگر انہوں نے تمہارے دین میں عناداً طعن کیا مناظرۃً نہیں۔ کیوں کہ مناظرۃ تو ثابت ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ''**وجادلهم بالتى هى أحسن**'' تو ان کے ساتھ بہتر طریقہ سے بحث ومباحثہ کرو، گویا یہاں مناظرہ کے اثبات کی دلیل فراہم کی۔

☆ اس تفسیر کے لیے مولانا نے کن مقامات سے استفادہ کیا ہے یہ جستجو ذرا مشکل امر ہے، البتہ ان کی تفسیر میں امام رازی، ابن تیمیہ، ابن القیم، سیوطی، نواب صدیق حسن خاں صاحب وغیرہم کا ذکر آیا ہے، ظاہر ہے کہیں نہ کہیں ان سے استفادہ کیا ہے، لیکن اصل چیز خود مولانا کی بے پناہ ذہانت اور وسیع وگہری آگہی وشعور ہے، جس نے اس مشکل ترین کام کو بخوبی بلکہ نہایت عمدہ انداز میں ادا کیا، لاریب یہ اللہ تعالی کی جانب سے ان پر خاص فضل واحسان تھا۔ ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

پھر میدان عمل میں اترنے کے بعد مولانا نے عمومی انداز میں جن کتابوں سے استفادہ کیا ان کا خود اپنے ہی قلم سے ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس شغل میں میں نے چند علماء سلف کی تصنیف سے خاص فوائد حاصل کیے، حدیث شریف میں قاضی شوکانی، حافظ ابن حجر اور ابن قیم وغیرہم کی تصانیف سے، علم کلام میں امام بیہقی، امام غزالی اور حافظ ابن حزم علامہ عبدالکریم شہرستانی حافظ ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، امام رازی وغیرہم رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔ (دیکھیے: فتنۂ قادیانیت اور مولانا امرتسری، ص: ۳۶)

اس اقتباس سے مکمل نہ سہی مگر کافی حد تک مولانا کے شائستہ اور بلند پایہ ذوق کا اندازہ ضرور ہوجاتا ہے کیونکہ جن جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے وہ بڑی مقتدر اور چیدہ شخصیات کی تالیف ہیں۔

مواخذات: تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن پر دو طرح کے مؤاخذات ہیں، ایک تو صفات باری تعالی سے متعلق ہے، دوسرا طباعت وکتابت سے متعلق ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا کی یہ تفسیر جب ۱۹۰۳ء میں شائع ہوکر لوگوں کے سامنے آئی، جس میں مولانا نے صفات کے باب میں سلف صالحین کی روش سے ہٹ کر تاویل کا راستہ اختیار کیا، جس کا مقصد تھا باطل اپنے افکار کے ساتھ خاموش ہوجائے، مگر جب مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ تک یہ تفسیر پہونچی تو انہوں نے ایک کتاب بنام ''**الأربعین فی أن ثناء الله لیس علی مذهب المحدّثین بل هو من المحدثین فی الدین الجهمیة والمعتزلة والقدریة والمحرّفین**'' لکھی اور اس کی صحت وتوثیق کے طور پر متعدد علماء سے دستخط لیے، جس میں ثابت کیا کہ مولانا امرتسری سلف صالحین کے منہج پر نہیں، تو اس کے جواب میں مولانا امرتسری نے ''**الکلام المبین**'' نامی رسالہ لکھا، جس میں مولانا غزنوی کی بھرپور تردید کی، چنانچہ اعیان اہل حدیث نے صلح وصفائی کی بہت کوششیں کیں مگر نتیجہ حوصلہ افزا نہ رہا۔ ۱۹۰۴ء میں آرہ میں جماعت کا ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا، لہٰذا کوشش کی گئی کہ فریقین مصالحت پر راضی ہوجائیں، فریقین میں ثالث کے طور پر حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا شمس الحق ڈیانوی اور مولانا شاہ محمد عین الحق چھپرا کے نام پر اتفاق ہوا، بحث وتمحیص کے بعد ان عالی قدر حضرات نے لکھا ''چالیس غلطیوں میں سے صرف چودہ ہی صحیح ہیں اور ان کی وجہ سے مولانا ثناءاللہ کافر نہیں'' (دکھے دل کی داستان ص:۱۰)

پھر ایک عرصہ تک خموشی رہی مگر جب مولانا امرتسری ۱۹۲۶ء کو فریضہ حج کے لیے عازم ہوئے تو مولوی عبداللہ صاحب روپڑی نے اس کا عربی ترجمہ حجاز بھیج دیا، تاکہ لوگ ان سے متنفر ہوجائیں، شدہ شدہ بات ملک عبدالعزیز تک پہونچی، لہٰذا انہوں نے مصالحت کے لیے ایک کمیٹی بنا کر ایک مجلس منعقد کی، اس کمیٹی میں سید رشید رضا مصری، شیخ محمد بن عبداللطیف آل الشیخ، شیخ عبدالعزیز بن حسن آل الشیخ، علامہ بہجۃ البیطار اور حجاز کے چیف جسٹس عبداللہ بن بلیہد جیسی عظیم شخصیتیں موجود تھیں، ان سب نے جو طے کیا اس کی روداد اخبار اہل حدیث امرتسر کی متعدد فائلوں میں موجود ہے، جس کا ماحصل یہ تھا کہ:

''مولانا امرتسری نے اسماء وصفات باری تعالی میں متکلمین کے انداز پر جو تاویل کی ہے وہ اس سے رجوع کرتے ہیں، مخالفین کو بھی چاہیے کہ طعن وافتراء سے باز رہیں، نیز اربعین جلا دی جائے'' (مقدمہ تفسیر القرآن ص ۱۷/ اور مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی قادیانیت اور مولانا امرتسری، مولانا عبدالمجید سوھدری کی سیرت ثنائی میں تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں)

اس کوشش سے یہ فتنہ قدرے انداز میں فرو ہوگیا مگر روپڑی علماء کی طرف سے کچھ نہ کچھ سلسلہ جاری رہا اور اس حوالہ سے مولانا امرتسری کی شان کریمانہ اور کشادہ ظرفی کے خوبصورت اور تابندہ نقوش بھی تاریخ میں ثبت ہیں۔

ثانیا کہیں کہیں کچھ املائی اغلاط نظر آرہی ہیں، بلکہ ہم اسے غلطی نہ کہیں تو بہتر ہوگا کیوں کہ ممکن ہے مؤلف کے خط کو باقی رکھنے کے لیے ایسا ہوگیا ہو، مثلاً ص ۳۳ پر الطلبہ کے بجائے ''الطلباء'' لکھا ہے، اسی طرح ''الفوز الکبیر'' کے بجائے ''فوز الکبیر'' ہے جو کہ

موصوف صفت کی ترکیب ہے۔

اسی باب کے اخیر میں مولانا امرتسری نے ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے اور مراجعین کا کوئی اشارہ یا تعلق نہیں۔ ''**کلمة الحکمة ضالة المومن، فحیث وجدها فهو أحق بها**'' امام ترمذی نے لکھا ہے ''**حدیث غریب لا نعرفه الا من هذ الوجه**، شیخ البانی رحمہ اللہ نے لکھا یہ حدیث ضعیف جدا ہے۔

مراجعہ کرنے والے اہل علم نے اس تفسیر میں وارد رموز کی توضیح کردی ہے۔ مثلاً کبیر سے مراد التفسیر الکبیر للرازی ہے، معالم سے مراد معالم التنزیل للبغوی ہے وغیرہ۔ تفصیلات کے لیے مراجعہ کرنا چاہیے۔

مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ کی عظیم الشان اور بلند پایہ تفسیر کی شان میں خوب قصیدے پڑھے گئے اور کبار اہل علم نے خوب خوب داد تحقیق سے نوازا، ظاہر ہے یہ اپنے باب میں نہایت منفرد تفسیر تھی جسے سرزمین حجاز کے بعد سرزمین ہند میں ایک جلیل القدر عالم دین نے لکھی تھی، جن علماء نے اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کیا ہے، ان تمام کے اقوال مولانا نے اپنی کتاب ''القول المبین مطبوع ۱۳۲۲ھ'' میں نقل کیے ہیں۔ ان تمام اقوال کو یہاں نقل کرنے سے مقالہ نہایت طویل ہوجائے گا کیوں کہ قلم بھی ذرا آرام کی خواہش کر رہا ہے، اس لیے صرف ان کے اسماء گرامی کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ جریدۃ ''المؤید'' مصر، ۲۔ جریدۃ ''البیان'' الھند، ۳۔ حضرت شیخ حسین الیمانی شیخ الحدیث بھوپال، ۴۔ حضرت مولانا محمود دیوبندی، ۵۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، ۶۔ حضرت مولانا شبلی نعمانی، ۷۔ حضرت الاستاذ حافظ عبداللہ غازی پوری، ۸۔ حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، ۹۔ حضرت مولانا محمد غضنفر لدھیانوی، ۱۰۔ حضرت مولانا سید عبدالسلام ابن شیخ الحدیث علامہ سید نذیر حسین دہلوی، ۱۱۔ حضرت مولانا عبدالہادی شیخ الحدیث ہندی، ۱۲۔ حضرت مولانا الحافظ محمد الدین بستوی، ۱۳۔ حضرت مولانا الحافظ عبدالسلام ملتانی ہندی، ۱۴۔ حضرت مولانا مولوی محمد حسین فیروز پوری پنجابی، ۱۵۔ حضرت مولانا عبدالتواب ملتانی ہندی، ۱۶۔ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم ملتانی، ۱۷۔ حضرت مولانا مولانا محمد سعید شیخ الحدیث بنارسی، ۱۸۔ حضرت مولانا سید علی لاہوری، ۱۹۔ حضرت مولانا سلیمان پھلواروی، ۲۰۔ حضرت مولانا غلام محمد ھوشیار پوری، ۲۱۔ حضرت مولانا عبدالجبار عمر پوری شیخ الحدیث، ۲۲۔ حضرت مولانا ابوالمکرّم محمد أبی یحیٰ شاہجہاں پوری، ۲۳۔ حضرت مولانا ابومحمد عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی دہلوی۔

مولانا امرتسری رحمہ للہ خود نہایت عظیم اور جلیل القدر عالم دین تھے، یہ تفسیر اس بات کی کھلی گواہی دے رہی ہے اور عالم اسلام کے کبار اہل علم کی جانب سے اس قدر پذیرائی بھی اس کے حق میں اس کی عظمت و برتری پر شاہد ہے۔ گذشتہ سطور میں خوانندگان ذی وقار نے اس تفسیر کے علمی و ادبی مقام کا اندازہ کرلیا ہوگا، ان بنیادوں پر یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اس عظیم تفسیر کو اس کا عظیم مقام ملنا چاہیے، زیادہ سے زیادہ اسے عام کیا جائے، جامعات و مدارس کے ذمہ داران اسے نصاب میں جگہ دیں اور اعلی سطح پر اسے شائع کر کے علمی حلقوں میں تقسیم کیا جائے، کوئی بھی قابلِ ذکر لائبریری اس سے خالی نہ رہے، تاکہ لوگوں کے قرآنی شعور و مزاج میں بیداری آئے اور تفسیر کا یہ اسلوب جو مٹتا جارہا ہے بحث و تحقیق کے گردوں پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

☆☆☆

گوشت خوری، اسلام اور دیگر مذاہب میں

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

یہ رنگا رنگ دنیا، مال وزر کی ریل پیل، آسائش حیات کی بہتات اور طعام وشراب کی نوع بنوع چیزیں، یہ سب اللہ رب العالمین کا انعام واکرام اور اسی کی نوازشیں ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ کوئی امیر ہے تو کوئی غریب، کوئی شاہ تو کوئی گدا، کوئی سائل تو کوئی مسئول۔ گویا اللہ تعالی نے انسانی زندگی کے نظام کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا، تاکہ کائنات کو بحسن وخوبی چلایا جاسکے، ساتھ ہی ساتھ اس کائنات میں پائے جانے والی تمام مخلوقات کی روزی کو زنجیری بنایا، گھاس کی غذا ہوا، پانی اور دھوپ، اکثر جانورں کی غذا گھاس اور بعض جانوروں کی غذا خود دوسرے جانوروں کا گوشت، شیر کو نیل گائے اور ہرن کا گوشت محبوب ہے تو بلی کو چوہا مرغوب۔ الغرض مخلوق کی روزی کا ایک طویل سلسلہ ہے، سب ایک دوسرے کے فائدے کے لیے ہیں، کسی بھی مخلوق کو اللہ وحدہ لاشریک نے بے کار پیدا نہیں کیا، خواہ بظاہر وہ کتنی ہی مضر کیوں نہ ہو، سانپ ظاہراً مضر ہے، لیکن اس کے فوائد سے اہل طب بخوبی واقف ہیں، اس سے بننے والی دوائیاں مختلف بیماریوں کو ختم کرتی ہیں، جس سے انسان صحت یاب ہوجاتا ہے، ایک برباد ہوتا گھر آباد ہوجاتا ہے، بہن کو بھائی، بیوی کو شوہر، ماں کو بیٹا اور بیٹے کو ماں مل جاتی ہے، یہ اسی ہستی کا بنایا ہوا نظام ہے، جس نے تمام مخلوقات کی تخلیق کی اور ان کے لیے الگ الگ غذائیں متعین کیں، کسی کو گوشت خور بنایا تو کسی کو سبزی خور اور کسی کو دونوں بنایا اور اسی کے مطابق اس کی قوت ہاضمہ بھی بنایا، اور ان مخلوقات میں انسان ایسی مخلوق ہے جو گوشت وسبزی دونوں کھانے اور اس کو ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اسی لیے اللہ رب العالمین نے اس کے لیے کچھ جانوروں کو حلال کیا، مثلاً گائے، بیل، بکری، بکرا اور بھیڑ، اونٹ وغیرہ۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورہ مائدہ، آیت: ۱ میں فرمایا: ﴿أحلت لكم بهيمة الأنعام﴾ تمہارے لیے مویشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں۔ ''بھیمۃ چار ٹانگوں والے جانور کو کہا جاتا ہے۔ اس کا مادۂ م، ابہام ہے، بعض کا کہنا ہے کہ ان کی گفتگو اور عقل وفہم میں چوں کہ ابہام ہے اس لیے ان کو بھیمۃ کہا جاتا ہے۔ ''انعام'' اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ کو کہا جاتا ہے، کیوں کہ ان کی چال میں نرمی ہوتی ہے، یہ ''بھیمۃ الانعام'' نر اور مادہ مل کر آٹھ قسمیں ہیں''۔ (تفسیر احسن البیان، مترجم جوناگڑھی ص ۲۸۱) اور سورہ نحل آیت ۵ میں اس سے بھی واضح انداز میں فرمایا: ﴿والأنعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تاكلون﴾ اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے نفع ہیں اور بعض تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں، شیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''چوپائے (اونٹ، گائے اور بکریاں) بھی اسی نے پیدا کیے، جن کے بالوں اور اون سے تم گرم کپڑے تیار کرکے گرمی حاصل کرتے ہو، اسی طرح ان سے دیگر منافع حاصل کرتے ہو، مثلاً ان سے دودھ حاصل کرتے ہو، ان پر سواری کرتے اور سامان لادتے ہو، ان کے ذریعہ ہل چلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہو وغیرہ''۔ (احسن البیان مترجم ص ۷۲۷)

نیز سورہ مومنون آیت ۲۱ میں ہے: ﴿وإن لكم في الأنعام لعبرة نسقيكم مما في بطونها ولكم فيها منافع كثيرة ومنها تأكلون﴾ اور تمہارے لیے چوپایوں میں سامان عبرت ہے، ان کے پیٹوں سے ہم تمھیں (دودھ) پلاتے ہیں اور ان میں تمہارے لیے اور بھی فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو۔ (ترجمہ جوناگڈھی)

مذکورہ آیتوں میں اللہ تعالی نے جانوروں کو پیدا کرنے کا مقصد واضح فرمادیا کہ اس نے چوپایوں کو کس کس کام اور فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے، اب کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اپنے اور ان جانوروں کے خالق کے متعین کردہ اصول وقوانین سے بغاوت کرنے کا کوئی جواز ہے، اس لیے اگر مسلمان اور دیگر مذاہب کے لوگ جو گوشت خور ہیں، ان حلال جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں تو ان کا یہ عمل بالکل عین فطرت ہے اور فطرت بدلی نہیں جاسکتی اور نہ ہی اس سے بغاوت کی جاسکتی ہے۔

گوشت خوری کی رسم ورواج زمانۂ قدیم سے چلی آرہی ہے، نہ کوئی مذہبی پابندی تھی، نہ سماجی بندش تھی اور نہ ہی اس عمل کو کسی قسم کا جرم تصور کیا جاتا تھا، اپنی زندگی اپنے حساب سے جینے کی کھلی آزادی تھی، لوگ بلاتفریق مذہب وملت بے خطر ونڈر اپنی پسندیدگی کو مقدم رکھتے تھے، لیکن جوں جوں زمانہ نے کروٹ بدلا، اپنے ہر کروٹ میں کسی نہ کسی مذہب ومسلک کو جنم دیا، زمانہ بدلتا گیا، لوگ آتے گئے اور مذاہب وجود پذیر ہوتے رہے، خصوصا ملک ہندوستان اس معاملے میں صف اول میں نظر آئے، یہاں دنیا کے کونے کونے سے لوگ بغرض تجارت آئے اور اپنے ساتھ نئی تہذیب، نیا تمدن اور نئی ثقافت بھی لے آیا، جس کے نتیجے میں مختلف عقائد وجود پذیر ہوئے، حتی کہ ۱۹ویں صدی کا زمانہ آیا، اس میں آریہ سماج کی تشکیل عمل میں آئی اور سوامی دیانند سرسوتی نے گئو رکشا کے لیے مہم چلائی، ان کے مطابق گائے ذبح کرنے کے جرم میں ہزاروں انسانوں کو ذبح کرنا چاہیے، تاکہ گائے کو خوش کیا جاسکے۔ (تقابل ادیان، از پروفیسر محمد یوسف خان، ص:۵۲)

اب کوئی باشعور اور عقل ودانش منداپنی فراست سے یہ واضح کرے کہ کیا بھگوان اتنا ظالم ہوسکتا ہے کہ ایک جانور کی جان کے بدلے اتنی انسانی جان کا خون کیا جائے؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ تصور سے بالاتر ہے، ایک طرف یہ تشدد تو دوسری طرف یہی گائے جب دودھ دینا بند کردیتی ہے تو اسے بے یار ومددگار چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس بے چاری ماتا کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، اس کے برعکس جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ اسلام نے ہر جان کو جتنا تحفظ عطا کیا ہے وہ کسی بھی مذہب نے نہیں کیا، مثال کے طور پر کتا جس کا کھانا اسلام میں حرام ہے، تب بھی اس کو پانی پلانے پر جنت کی خوشخبری سنائی گئی، بلی جسے ایک عورت نے کھمبے سے باندھ دیا تھا، نہ پانی دیا نہ کھانا، اور نہ چھوڑا کہ وہ خود کھا سکے تو انھیں جہنم کی وعید سنائی گئی، چوں کہ اللہ رب العالمین کو اس کائنات کا نظام چلانا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس مخلوق کے لیے کون سی غذا متعین کرے، چنانچہ قادر مطلق نے جہاں بہت سی غذائیں انسان کے لیے تجویز کیں وہیں اس کے لیے کچھ جانوروں کو بھی حلال کیا، اور گوشت خوری صرف مذہب اسلام میں ہی نہیں بلکہ دیگر مذاہب میں بھی اس کی اجازت دی گئی ہے، اور دیگر مذاہب کے لوگ کھاتے بھی ہیں، ہندوؤں کی اپنی قدیم کتابوں میں گوشت کھانے پر کوئی پابندی نہیں، یہاں تک کہ ان کی ان قدیم کتابوں

میں ایسے سادھوسنتوں کے واقعات بھی ملتے ہیں جو غیر سبزیاتی غذا کھایا کرتے تھے، ڈاکٹر ذاکر نائک نے اپنی کتاب ''مذاہب عالم میں تصور خدا اور اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال'': ۸۷-۸۹ میں اس چیز کی بڑی عمدہ وضاحت پیش کی ہیں، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) منوسمرتی نامی کتاب میں جو ہندو قوانین کا مجموعہ ہے، باب نمبر ۵ کے ۳۰ ویں اشلوک میں لکھا ہے: ''کھانے والا جوان کا گوشت کھائے کہ جو کھانے کے لیے ہیں تو وہ کچھ برا نہیں کرتا، چاہے وہ ایسا روزانہ ہی کیوں نہ کرے، کیوں کہ ایشور نے خود ہی بنایا ہے کچھ کو ایسا کہ کھائے جائیں اور کچھ کو ایسا کہ نہ کھائے جائیں۔

(۲) اسی کتاب منوسمرتی کے باب ۵ کے اگلے اشلوک ۳۱ میں لکھا ہے، قربانی کا گوشت کھانا صحیح ہے، یہ ایک ریت ہے جو دیوتاؤں کا حکم جانا جاتا ہے۔

(۳) منوسمرتی کے اسی پانچویں باب کے ۳۹ ویں اور ۴۰ ویں اشلوک میں ہے: ''ایشور نے خود ہی بنایا ہے قربانی کے جانوروں کو قربانی کے لیے.....تو قربانی کے لیے مارنا کوئی قتل نہیں ہے''۔

(۴) مہابھارت انوشاسن پروا کے ۵۸ ویں باب میں دھرم راج یدھسٹر اور بھیشم پتاما کے درمیان اس بات پر مکالمہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دادا پردادا کی روحوں کو شردھا (مردوں کے تقریب) کے درمیان اطمینان بخشنے کے لیے کوئی کھانا بھینٹ کرنا چاہے تو وہ کیا کرسکتا ہے؟ وہ بیان کچھ یوں ہے: یدھشٹر نے کہا: او مہاشکتی شالی! مجھے بتا کہ وہ کیا چیز ہے جسے اگر اپنے پرکھوں کی روحوں کو بھینٹ کروں تو وہ کبھی ختم نہ ہو، وہ کیا بھینٹ ہے جو (اگر دی جائے تو) ہمیشہ کے لیے باقی رہ جائے؟ وہ کیا ہو جو (اگر پیش کی جائے تو) لافانی ہو جائے، بھیشم نے کہا: میری بات سن، اے یدھشٹر! وہ بھینٹیں کیا ہیں جو کوئی شخص شردھا میں چڑھائے اور شردھا کے لیے اچھی ہوں اور وہ کیا پھل ہیں جو ہر ایک کے ساتھ جوڑے جائیں، تل، چاول، جو، ماش، پانی، جڑیں اور پھل، اگر انھیں شردھا پر بھینٹ کیا جائے تو اے بادشاہ! تیرے پرکھوں کی آتمائیں ایک مہینے تک خوش رہیں گی اور اگر تو مچھلیوں کی بھینٹ کرے گا تو تیرے پرکھوں کی آتمائیں دو مہینے تک خوش رہیں گی، (بھیڑ کے) گوشت کی بھینٹ انھیں تین مہینوں تک اور خرگوش (کے گوشت) کی بھینٹ چار مہینوں تک خوش رکھے گی، بکری کے گوشت کی بھینٹ سے وہ پانچ مہینوں تک، سور کے گوشت (کی بھینٹ) سے چھ مہینوں تک خوش رہیں گی، اور پرندوں کا گوشت انھیں سات مہینوں تک خوش رکھے گا، ایک ہرن کا گوشت جسے پریشاتا کہتے ہیں اور گائے کا گوشت دس مہینے تک اور بھینسے کے گوشت کی بھینٹ انھیں گیارہ مہینے تک خوش رکھے گی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ شردھا پر دی گئی گائے کے گوشت کی بھینٹ ایک سال تک باقی رہتی ہے، بھینٹ کے (گائے کے) گوشت کے ساتھ اتنا گھی ملایا جائے کہ وہ تیرے پرکھوں کی آتماؤں کے لیے قبول ہونے کے قابل ہو، دھرناسا (ایک بڑے بیل) کا گوشت تیرے پرکھوں کی آتماؤں کو بارہ برسوں تک خوش رکھے گا، گینڈے کا گوشت جسے پرکھوں کی آتماؤں کو چاند کی ان راتوں میں بھینٹ کیا جائے جب وہ پرلوک سدھارے تھے تو وہ گوشت انھیں ہمیشہ خوش رکھے گا، اور ایک جڑی بوٹی جو کلاسکا کہلاتی ہے اور کنچن پھول کی پتیاں اور (سرخ) بکری کا گوشت بھی جو بھینٹ کیا جائے،

ہمیشہ کے لیے خوشی دیتا ہے تو اگر چاہتا ہے کہ تیرے پرکھوں کی آتمائیں ہمیشہ کے لیے شانت (مطمئن) رہیں تو تجھے چاہیے کہ لال بکری کے گوشت سے ان کی سیوا کر''۔

پروفیسر کانچا ایلیا کہتے ہیں کہ: تاریخی طور پر برہمن سمیت تمام ہندو عوام ویدک اور ویدک کے بعد کے ادوار میں گائے کا گوشت کھایا کرتے تھے، ان کے مطابق گوتم بدھ نے اس روایت کے خلاف آواز اٹھائی تھی، کیوں کہ ان کے دور میں پروہت طبقے میں گائے کا گوشت بڑی مقدار میں استعمال کیا جاتا تھا، کانچا ایلیا مزید فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے گائے کا گوشت کھانا شروع کیا تھا نہ تو عیسائی تھے اور نہ ہی مسلمان، وہ عام لوگ تھے جن میں تمام ذاتوں کے لوگ شامل تھے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا ایک مضمون ''کیا ہندوؤں نے کبھی بیف نہیں کھایا؟'' یہ مضمون ان کی کتاب ''اچھوت کون تھے اور وہ اچھوت کیوں بنے؟'' میں شامل ہے، انھوں نے اس میں قدیم دور میں ہندوؤں کے گائے، بیل کے گوشت کے استعمال کو ثابت کرنے کے لیے ہندو اور بدھ مت کی مذہبی کتابوں کا سہارا لیا ہے، ان کے مطابق گائے کو مقدس ماننے سے پہلے گائے کو ذبح کیا جاتا تھا، انھوں نے ہندو دھرم شاستروں کے ایک مشہور عالم پیوی کانے کا حوالہ دیا، کانے نے لکھا ہے: ایسا نہیں ہے کہ ویدک دور میں گائے مقدس نہیں تھی، لیکن اس کی پاکیزگی کی وجہ سے ہی کہا گیا کہ گائے کا گوشت کھایا جانا چاہیے۔ (مراٹھی میں دھرم شاستری وچار ص ۱۸۰)

ڈی این اوجھا (تاریخ داں) نے کہا: قدیم ہندوستان کے ویدک ادب میں ایسے کئی شواہد ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں بھی گائے کے گوشت کا استعمال کیا جاتا تھا، جب یگیہ (ایک مذہبی تقریب) ہوتی تھی تب بھی گائے کو قربان کیا جاتا تھا۔

ویدوں کی تعلیمات کی روشنی میں اگر قربانی کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لیے رک جائے تو دیوتا بارش برسانا چھوڑ دیں، آفتاب کا طلوع وغروب رک جائے اور فصلوں میں وقت پر اناج نہ پیدا ہو، قربانی نہ دینے کی صورت میں دیوتاؤں کے اندر ان کاموں کی قدرت ہی نہیں رہے گی، ہندو آریوں کے اس عقیدے کا کوئی ثبوت نہیں کہ جانور کا گوشت کھانے سے خدا کا گوشت و پوست ان کا جزء بدن ہو جاتا ہے، اور نہ اس خیال کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ وہ قربانی کے ذریعہ اپنے دیوتا کی جان لیتے ہیں۔ (اسلام اور مذاہب عالم: تقابلی مطالعہ ص ۱۰)

غیر مسلموں کا مسلمانوں کی گوشت خوری اور قربانی پر ایک اعتراض ہے کہ جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے جب ان کو ذبح کیا جاتا ہے، حالاں کہ اسلام نے جانور کو کسی بھی طرح کی تکلیف دینے سے روکا ہے، حتی کہ اس کے سامنے چھری تیز کرنے سے بھی منع کیا ہے، اور خون پوری طرح بہانے کا حکم دیا، تاکہ دم نکلنے میں آسانی ہو، اس کے برخلاف جب ہم غیر مسلموں کی قربانی اور بھینٹ پیش کرنے کے طریقے کا جائزہ لیتے ہیں تو روح کانپ اٹھتی ہے، ہم آپ کو ڈاکٹر جے کوٹھاری کی مشاہداتی تحریر کی سیر کراتے ہیں جو انھوں نے اپنے نیپالی سفرنامہ ''گورکھا دیکھا تیرا گاؤ'' کے تحت تحریر کیا ہے، کہتے ہیں: ''دستوری اعتبار سے نیپال ایک ہندو ریاست ہے، یہاں کے نیپالی گورکھے پوری دنیا میں مشہور ہے، ہندو مذہب کے پیرو یہ نیپالی ہندو گورکھے (کاٹھمنڈو سے کچھ دور جنوب میں کالی ماتا کا مندر ''دکشن کالی'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے) خوشی یا تہوار کے موقع پر ہر سنیچر کو ''دکشن کالی مندر'' میں درشن کے لیے بکثرت جمع ہوتے ہیں اور اپنی منت یا حیثیت کے مطابق مرغی، بکری اور گائے کو

کالی ماتا کے سامنے ذبح کرتے ہیں اور گائے کی یہ قربانی اتنے دردناک واذیت ناک طریقہ سے کی جاتی ہے کہ کمزور دل کے لوگ اس قاتلانہ منظر کو اگر دیکھ لیں تو ان کو ''ہارٹ اٹیک'' ہوجائے گا، ہندو اسٹیٹ میں یہ کام دھرم اچاریوں کے ذریعہ ہوتا ہے، بڑی حیثیت کے مالدار لوگ زیادہ تر گائے ہی کی قربانی کرتے ہیں، پہلے تو گائے کی پوجا کی جاتی ہے، اس کے بعد گائے کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں، اگر گائے نے منہ ہلا دیا تو پرساد کے لیے منظوری کا حکم سمجھا جاتا ہے اور اگر گائے نے منہ نہیں ہلایا تو پھر دوسری بار پانی کے چھینٹے گائے پر چھڑکے جاتے ہیں، اگر ایک بار بھی گائے منڈی ہلادی تو یہ مان لیا جاتا ہے کہ اب کالی ماتا نے اس گائے کو قربانی کا حکم دے کر منت قبول کرلی ہے، اب فوراً مورتی کے سامنے مندر کا پجاری گائے کو لے کر آتا ہے اور خود پجاری ایک دھاردار تیز اسلحہ سے گائے کی گردن پر زوردار وار کرتا ہے، خون کا فوارہ چھوٹتے ہی اس طرح یہ کام کیا جاتا ہے کہ بہتا ہوا خون کالی ماتا کی مورتی کے قدموں پر برابر جا گرے، یہ ہونے کے بعد تڑپتی ہوئی گائے کے جسم کو دوسری دو چھوٹی مورتیوں کے سامنے بھی برکت کے لیے بچا ہوا خون بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے، اس کے بعد چھرا چلا کر گائے کی گردن پورے طور پر جسم سے جدا کردی جاتی ہے اور یہ کام ٹھیک مندر کے بیچ کے حصہ میں انجام دیا جاتا ہے، جب کٹا ہوا جانور پورے طور پر بے جان یا سرد ہوجاتا ہے تب گردن کو کاٹ کر پجاری خود لے جاتا ہے، اگر منت چڑھانے والا گائے کی گردن کا طالب ہو تو اس کے لیے اسے پجاری کو الگ سے رقم ادا کرنی پڑتی ہے، گائے کا پورا جسم مندر کے پیچھے بہنے والی ندی میں صاف کیا جاتا ہے اور چمڑا اتار کر گوشت تمام بھگت پرساد کے طور پر لے جاتے ہیں۔ (نقیب پٹنہ، از مولانا غیاث الدین، ۱۲/اکتوبر ۲۰۱۵ء ص ۷)

اتنے ثبوت اور دلائل کے باوجود غیر مسلم حضرات صرف مسلمانوں کو نشانہ بناتے ہیں اور آئے دن قتل وخوں ریزی کا بازار گرم کیا جاتا ہے، ابھی کچھ دن پہلے جو دادری کا شرمناک حادثہ پیش آیا وہ اسی نفرت وعداوت کا نتیجہ تھا، اس واقعہ نے پورے ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا، اور سچ پوچھئے تو ناچیز کو بھی اسی واقعہ نے اس حساس موضوع پر قلم اٹھانے پر مجبور کیا، یہی نہیں بلکہ اس کے کچھ ہی دنوں بعد سہارنپور کے محمد نعمان کو شملہ کے قریب گائے کی اسمگلنگ کی افواہ پھیلا کر بجرنگ دل کے شرپسندوں نے پیٹ پیٹ کر قتل کردیا۔

مذکورہ واقعات کے رونما ہونے کے بعد مختلف دانش وروں نے مختلف بیانات دیے اور اپنے درد وغم وغصہ کا اظہار کیا، اور اس میں ہندو مسلم، سکھ، عیسائی سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آپسی بھائی چارگی کا ثبوت دیا، اس کے لیے ہم انھیں اپنے دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

خلاصۂ تحریر یہ کہ گوشت خوری پر جو اتنا واویلا مچا ہوا ہے، آخر کب تک اس کا سلسلہ دراز ہوتا رہے گا؟ حکومت سے سوال یہ ہے کہ کیا معاوضہ کے نام پر کچھ روپیوں کا نذرانہ ننھے ننھے بچوں کو والد، ماؤں کو بیٹا اور بیویوں کو ان کا شوہر واپس کرسکتا ہے؟ لہذا حکومت کو چاہیے کہ اس جانب کوئی مثبت اقدام کرے تاکہ ظلم وتشدد کے سیلاب کو بحسن وخوبی روکا جاسکے، ورنہ دنگائیوں کے ہاتھ اور لمبے ہوتے جائیں گے اور ہمارے ملک کی ترقی پر قدغن لگ جائے گا۔ وما توفيقي إلا بالله.

☆☆☆

تحویل قبلہ: احکام وفوائد

محمد عاصم افضال احمد
فضیلت سال سوم، جامعہ سلفیہ، بنارس

مذہب اسلام نے انسان کی اصلاح کے لیے سب سے زیادہ زور عقیدہ پر دیا۔ اس کے بعد عبادات، معاملات اور اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ انسانی زندگی کو ایک مکمل ضابطہ حیات عنایت کیا ہے۔ عبادات کی ادائیگی کے لیے زمان ومکان کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ شریعت مطہرہ نے نماز کے لیے اوقات کی تعیین کی اور امکان کے طور پر مسجد اور سمت کو متعین کیا اور خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا، تاکہ نماز میں نمازیوں کی اجتماعیت باقی رہے۔ شروع اسلام میں مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا، ہجرت کے سولہ یا سترہ مہینہ بعد ۲ھ میں اللہ کے حکم سے خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہوا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"عن البراء رضي الله عنه أن النبي ﷺ صلى إلى بيت المقدس ستة عشر شهرا أو سبعة عشر شهرا وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت وانه صلى، أو صلاها صلاة العصر وصلى معه قوم، فخرج رجل ممن كان صلى معه فمر على أهل المسجد وهم راكعون، قال أشهد بالله لقد صليت مع النبي ﷺ قبل مكة، فداروا كما هم قبل البيت وكان الذي مات على القبلة قبل أن تحول قبل البيت رجال قتلوا لم ندر ما نقول فيهم فأنزل الله "وما كان ليضيع إيمانكم". (۱)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (مدینہ میں) سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور آپ ﷺ چاہتے تھے کہ ان کا قبلہ خانہ کعبہ ہو جائے، آپ نے عصر کی نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ لوگوں نے نماز پڑھی، آپ کے ساتھ پڑھنے والا ایک مصلی ایک مسجد کے پاس سے گذرا اس حال میں کہ اہل مسجد نماز پڑھ رہے تھے، اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں نے آپ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے تو وہ لوگ اس حالت میں خانہ کعبہ کی طرف گھوم گئے اور جو تحویل قبلہ سے پہلے شہید کر دیئے گئے ہم ان کے بارے میں متردد ہوئے تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل کی: ''اللہ تمہارے ایمان (اعمال) کو ضائع نہیں کرے گا''۔

آپ ﷺ کی شدید چاہت تھی کہ قبلہ خانہ کعبہ ہو جائے، چنانچہ جب ہم تحویل قبلہ کے پس منظر پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی، آپ ﷺ کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے، آپ ﷺ کے آباء واجداد نے ایک زمانے سے اس گھر کے انتظام وانصرام اور نگرانی کا خیال رکھا، مکی زندگی میں آپ خانہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، جب آپ مدینہ ہجرت کر کے آئے، تو آپ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ خانہ کعبہ آپ کا قبلہ ہو، اسی وجہ سے آپ بار بار اپنے چہرے کو آسمان کی طرف

(۱) بخاری، کتاب التفسیر، باب سیقول السفہاء من.....، حدیث نمبر: ۴۴۸۶۔

اٹھاتے تھے کہ کب کوئی حکم آئے، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قد نرى تقلب وجهك في السماء فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ (البقرۃ:۱۴۴) ''ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے، اس لیے آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پس آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے۔

نیز آپ ﷺ تحویل قبلہ اس لیے چاہتے تھے کہ جب آپ مدینہ آئے اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے تو یہودیوں نے کہا کہ محمد ہماری مخالفت کرتا ہے اور ہمارے قبلے کی اتباع بھی کرتا ہے، "إنما كان يحب ليتول إلى الكعبة لأن اليهود قالوا: يخالفنا محمد ويتبع قبلتنا". (۱)

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کے قبیلے قریش کی کعبہ کی تولیت، نگرانی، آپ کی مکی زندگی میں کعبہ سے قربت وہمسائیگی نیز ہجرت کے بعد مدینہ میں یہودیوں کے جانب سے آپ کی مخالفت جیسے اسباب کی وجہ سے آپ نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ بنی اسرائیل کی امامت کا دور ختم ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ بیت المقدس کی مرکزیت بھی رخصت ہوئی۔ اب اصل مرکز ابراہیمی کی طرف رخ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

تحویل قبلہ کا حکم نماز کے دوران ہی آیا تھا اور چوں کہ خانہ کعبہ مدینہ سے جنوب میں اور بیت المقدس شمال میں واقع ہے، اس لیے تحویل قبلہ کی نوعیت یہ ہوئی کہ تمام لوگ شمال سے جنوب کی طرف گھوم گئے تھے، تحویل قبلہ کی یہ نوعیت آیا، اس طرح ہوئی کہ آپ ﷺ صفوں کو چیرتے ہوئے شمال سے جنوب کی طرف آئے اور قبلہ رخ ہو گئے، اس طور پر کہ عورتیں آگے اور مرد پیچھے ہو گئے، یا یہ کہ آپ ﷺ تمام مصلیان سمیت اس طرح گھوم گئے کہ مرد آگے اور عورتیں پیچھے ہی رہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس نوعیت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"ووقع بيان كيفية التحول في حديث ثويلة بنت أسلم عند أبي حاتم وقد ذكرت بعضه قريبا وقالت فيه لا تتحول النساء مكان الرجال والرجال مكان النساء، فصلينا السجدتين الباقيتين إلى البيت الحرام، قلت وتصويره ان الإمام تحول من مكانه في مقدم المسجد إلى مؤخر المسجد، لأن من استقبل الكعبة استدبر بيت المقدس، وهو لو دار كما هو في مكانه لم يكن خلفه مكان يسع الصفوف ولما تحول الأمام تحولت الرجال حتى صاروا خلفه وتحولت النساء حتى صرن خلف الرجال، وهذا يستدعي عملا كثيرا في الصلاة فيحتمل أن يكون ذلك وقع قبل تحريم العمل الكثير كما كان قبل تحريم الكلام ويحتمل أن يكون اغتفر العمل المذكور من أجل المصلحة المذكورة أو لم تتوال الخطا عند التحويل بل وقعت مفرقة والله أعلم". (۲)

خلاصہ یہ کہ ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد گھوم کر عورتوں کی جگہ چلے گئے، چنانچہ اس کی صورت یہ ہوئی کہ امام جو مسجد کے آگے کی جانب تھا گھوم کر مسجد کے پیچھے کی جانب آ گیا کیوں کہ جو کوئی مدینہ میں

(۱) تفسیر طبری ج ۲، ص:۲۶۔ (۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ ج ۱ ص ۶۵۶۔

کعبہ کی طرف رخ کرے گا تو بیت المقدس پیٹھ کرے گا اور اگر امام اپنی جگہ پر رہ کر گھوم جائے تو اس کے پیچھے اتنی جگہ کہاں کہ صفیں بن جائیں؟ اور جب امام گھوما تو اس کے ساتھ مقتدی بھی گھوم گئے اور عورتیں بھی یہاں تک کہ وہ مردوں کے پیچھے آ گئیں اور ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا۔

مکی زندگی میں آپ ﷺ کس قبلہ رخ ہو کے نماز پڑھتے تھے، اس میں اختلاف ہے، آیا آپ صرف بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے یا یہ کہ صرف خانہ کعبہ کی طرف یا بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں طرف۔ لہذا صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ خانہ کعبہ کے سامنے ایسے رخ میں کھڑے ہوتے تھے کہ بیت المقدس بھی سامنے ہوتا تھا، چنانچہ تحویل قبلہ کے سلسلے میں وارد احادیث کی تشریح کرتے ہوئے شارحین حدیث نے اس نکتہ پر بھی بحث کی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے صحیح اور راجح بات کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

"وبيان ذلك أن العلماء اختلفوا في الجهة التي كان النبي ﷺ يتوجه إليها للصلاة وهو بمكة فقال ابن عباس وغيره: كان يصلي إلى بيت المقدس لكنه لا يستدبر الكعبة بل يجعلها بينه وبين بيت المقدس وأطلق آخرون انه كان يصلي إلى بيت المقدس وقال آخرون كان يصلي إلى الكعبة فلما تحول إلى المدينة استقبل بيت المقدس وهذا ضعيف ويلزم عنه دعوى النسخ مرتين والأول أصح لأنه يجمع بين القولين". (۱)

علماء کرام نے آپ ﷺ کی مکی زندگی میں قبلہ کے جہت کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے، ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، لیکن خانہ کعبہ اپنے پیچھے نہیں رکھتے تھے، بلکہ اس کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے تھے، بعض لوگوں نے کہا کہ آپ صرف بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے، اور بعض نے کہا کہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، لیکن جب مدینہ گئے تو بیت المقدس کا رخ کیا، لیکن یہ تیسرا قول ضعیف اور مرجوح ہے کیونکہ اس سے نسخ (منسوخیت قبلہ) کا دعوی دو مرتبہ لازم آئے گا۔ لہذا صحیح و درست بات حضرت ابن عباس کا پہلا قول ہے کہ آپ دونوں طرف قبلہ رخ ہوتے تھے اور یہی قول بقیہ دونوں قول کا جامع ہے۔

آپ ﷺ جب مدینہ ہجرت کر کے آئے تو صحیح مسلم کی روایت کے مطابق سوا مہینہ (۲) بزار کی روایت کے مطابق سترہ مہینہ (۳) اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق شک کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینہ (۴) تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، اس کی توجیہ اس طرح ہوگی کہ پہلی دونوں روایتوں میں (جو بلا شک کے ہیں) جمع و تطبیق کرنا نہایت آسان ہے، اس طور پر کہ جس نے سولہ مہینہ یقینی طور پر کہا اس نے آنے والے مہینہ اور تحویل والے مہینہ کو ایک شمار کیا اور زائد ایام کو شمار

(۱) حوالہ سابق ج ۱ ص ۱۲۹، کتاب الایمان، باب الصلاۃ من الإیمان۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحویل القبلہ من القدس الی الکعبۃ ح: ۵۲۵۔

(۳) البحر الزخار المعروف بمسند بزار، ح: ۳۳۹۹۔

(۴) بخاری، کتاب الایمان باب الصلاۃ من الایمان، ح: ۴۰۔

نہیں کیا اور جس نے سترہ مہینہ جزم کے ساتھ بیان کیا اس نے سب کو شمار کیا ہے اور جس نے شک کیا اس نے تردد کے ساتھ بیان کیا ہے، چنانچہ آپ کی ہجرت بغیر اختلاف کے ماہ ربیع الاول میں ہوئی اور تحویل کا واقعہ صحیح روایت کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال رجب کے مہینے کے درمیان میں ہوا اور اسی پر جمہور کا یقین ہے اور اسی کو حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔(۱)

مذہب اسلام نے اتحاد واتفاق کے بقا اور اختلاف وانتشار کے انسداد کے لیے قولی وعملی دونوں طور پر واضح تعلیمات دی ہیں، قرآن وحدیث میں جہاں اس پر زور دیا گیا وہیں اللہ تعالی نے خانہ کعبہ کو ہمارا قبلہ بنا کر اس کو ہماری وحدت کا مرکز بنا دیا ہے، مسلمانان عالم پانچ وقت کی نماز میں قبلہ کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اور عملی طور پر ایک قبلہ کی جانب رخ کر کے اتحاد کی اعلی مثال پیش کرتے ہیں، بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب قبلہ تحویل کر کے اللہ تعالی نے یہ بتا دیا کہ اب اہل کتاب کا دور ختم ہو گیا، اب خانہ کعبہ ہی مسلمانان عالم کا مرکز ہے۔ اسی طریقے سے مذہب اسلام نے عقیدے کے باب میں سب سے زیادہ توحید پر زور دیا ہے اور شرک وبت پرستی پر زبردست قدغن لگایا ہے، اسلام کی تعلیمات اتنی صاف وشفاف اور واضح ہیں کہ کہیں سے بھی اس میں شرک کی بو اور اس کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا، چنانچہ شرک کے چور دروازے کو بند کرنے کے لیے ضروری تھا کہ قبلہ کوئی ایسی چیز ہو جس کی طرف ہر شخص ہر جگہ سے ہر ملک میں رخ پھیر سکے، سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اسلام نے قبلہ کے لیے کسی خاص سمت کا نہیں بلکہ ایک مرکزی مسجد کا انتخاب کیا جس کے چاروں طرف چاروں سمتوں سے نماز پڑھی جا سکے، اس طرح مشرق مغرب شمال جنوب سب بہ یک وقت مسلمانان عالم کا قبلہ ہے''۔(۲)

تحویل قبلہ کے سلسلے میں وارد آیات واحادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی کے احکام اور اس کی کتاب میں ناسخ منسوخ پائے جاتے ہیں، نیز علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں سب سے پہلی چیز جو منسوخ ہوئی وہ قبلہ ہی ہے اور قرآن سنت کے لیے ناسخ ہے، تحویل قبلہ کے تعلق احادیث سے خبر واحد کی حجیت اور قطعیت کا پتہ چلتا ہے نیز احادیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ناسخ کا حکم نہ پہنچے تو وہ پہلے حکم پر عمل کرے گا اور اسی کا تابعدار مانا جائے گا، ان لوگوں کے برخلاف جو یہ کہتے ہیں کہ پہلا حکم صرف ناسخ کے وجود ہی سے مرتفع اور منسوخ ہو جائے گا، اس کے علم اور جانکاری کی ضرورت اور شرط نہیں۔

اسلامی اصول اور فروع اور واقعات اپنے اندر بے شمار احکام ومسائل لیے ہوئے ہیں، ان ہی میں تحویل قبلہ کا یہ واقعہ بھی دروس وعبر کا جامع ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلامی احکامات وتعلیمات پر عمل پیرا ہوں، یہود وکفار کی سازشوں کو سمجھیں اور اتحاد واتفاق سے پُر اور شرک کی آلائشوں سے پاک ایک صالح معاشرہ تشکیل دیں، آمین۔

☆☆☆

(۱) ملخصا از فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۰۔ (۲) سیرۃ النبی از سید سلیمان ندوی ج ۵ ص ۱۰۷۔ نوٹ: اللہ کے لیے جہت علو ثابت ہے اور قرآن وحدیث میں اس کے واضح دلائل موجود ہیں۔(ع م)

اخبار جامعہ

محترم ناظم اعلی صاحب کے ساتھ اساتذۂ کرام کی میٹنگ

بتاریخ ۱۲/اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز سوموار بعد نماز مغرب دار الضیافہ کے ڈائننگ ہال میں محترم ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب کے زیر صدارت ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں طلبہ کی تعلیم وتربیت سے متعلق مسائل پر گفتگو کی گئی۔اس میٹنگ میں جملہ اساتذہ نے شرکت فرمائی۔

میٹنگ کے آغاز میں محترم ناظم اعلی صاحب نے حالیہ تعلیمی سال کی کارکردگی سے متعلق چند استفسارات کیے جن کا جواب محترم شیخ الجامعہ مولانا نعیم الدین مدنی صاحب نے دیا۔

اس میٹنگ میں خاص طور سے درج ذیل امور پر گفتگو ہوئی:

۱-گذشتہ سال کی طرح امسال بھی جامعہ سلفیہ میں قرآن کریم کے حفظ کا سالانہ انعامی مقابلہ منعقد کیا جائے نیز طلبہ میں ذوق وشوق اور علمی پختگی پیدا کرنے کے لیے دیگر علوم کے مسابقے بھی منعقد کیے جائیں۔

۲-وقتاً فوقتاً سینئر اساتذہ کو جامعہ میں دعوت دی جائے تاکہ طلبہ ان کے علم وتجربہ سے استفادہ کریں،اس سلسلہ میں سب سے پہلے استاد محترم مولانا عبدالسلام مدنی صاحب کو دعوت دینے پر اتفاق کیا گیا۔

۳-نماز کی حاضری کے نظام کو اور چوکس بنایا جائے اور ملازمین وباورچیان کو بھی اس سلسلہ میں ہدایت جاری کی جائے۔

۴-ملٹی میڈیا موبائل اور لیپ ٹاپ جس کا استعمال اندرون جامعہ طلبہ کے لیے ممنوع ہے،مخالفت کرنے والے طلبہ کے ساتھ سخت تادیبی کارروائی کی جائے۔

۵-صفائی ستھرائی کے نظام کو درست کیا جائے اور بچوں میں اس کا ذوق پیدا کرنے کے لیے انعامی مقابلہ منعقد کیا جائے تاکہ وہ اپنے کمروں کو صاف ستھرا رکھیں۔

۶-وہ اساتذہ جو کسی وجہ سے درس دینے سے قاصر رہتے ہیں ان کی گھنٹی میں طلبہ کو مشغول رکھنے کے لیے انتظار کی گھنٹی کا نظام جاری رہے اور اس کے لیے اساتذہ اپنا تعاون پیش کریں۔

۷-طلبہ کے کمروں کی نگرانی کے لیے اساتذہ کا جو گروپ بنایا گیا ہے اساتذہ اپنی اپنی باری میں اس کام کو انجام دیتے رہیں۔

اس میٹنگ میں مدرسہ زید بن ثابت کے اساتذہ ونگراں حضرات بھی موجود تھے،اس لیے ناظم صاحب نے ان سے وہاں کا حال چال معلوم کیا۔

واضح رہے کہ نئے تعلیمی سال کے آغاز سے شعبہ متوسطہ وحفظ کے طلبا کا کلاس اور رہائش مدرسہ زید بن ثابت کے نام سے قائم نئی عمارت میں منتقل کردی گئی ہے اور ان کی نگرانی کے لیے شعبۂ حفظ کے اساتذہ اور متوسطہ کے بعض اساتذہ کی رہائش بھی وہاں منتقل کی گئی۔

ان اساتذہ نے ناظم اعلی صاحب کی توجہ بعض ضروری امور کی طرف مبذول کرائی جن کو حل کرنے کا ناظم اعلی صاحب نے وعدہ کیا۔

میٹنگ کی کارروائی اچھے ماحول میں چلتی رہی اور عشاء کی اذان سے قبل میٹنگ اختتام پذیر ہوگئی۔

شیخ رفیع احمد مدنی مادر علمی میں:

جامعہ سلفیہ کے قدیم فارغین میں شیخ رفیع احمد مدنی ایک نمایاں نام ہے،آپ جامعہ میں محترم ناظم اعلی صاحب کے ہم سبق تھے۔

آپ ایک علمی مہم پر جامعہ تشریف لائے اور دوران قیام اساتذہ وطلبہ سے ملاقات کی اور پرانی یادوں کو تازہ کیا۔

واضح رہے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد آپ دعوت وتعلیم کی غرض سے فیجی تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے آسٹریلیا منتقل ہوگئے اور اس وقت آپ آسٹریلیا میں علم کی ترویج میں مصروف ہیں۔ ☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

فلسطینیوں کا تحفظ نہایت ضروری: شاہ سلمان

خبر رساں ادارے ایس پی اے نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ امریکی وزیر خارجہ جان کیری نے شاہ سلمان سے حال ہی میں ملاقات کی، اس دوران سعودی عرب کے فرماں روا شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے، اسرائیل اور فسلطین کے مابین جاری کشیدگی کو حل کے لیے امریکی وزیر خارجہ کی توجہ مبذول کرائی نیز یہودیوں کے ذریعہ فلسطینیوں پر ہو رہے مظالم کے خاتمہ پر مکمل زور دیا، علاوہ ازیں دیگر علاقائی درپیش مسائل بھی زیر بحث آئے۔ (اردو نیوز جدہ: ۱۵/۱۰/۲۶)

فلپائن کی مشہور اداکارہ کا قبول اسلام:

منیلا: فلپائن کی مشہور ومعروف اداکارہ ''کوئینی پڈیلا'' مشرف بہ اسلام ہوگئی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق اداکارہ کوئینی پڈیلا فلم اسٹار روبن پڈیلا کی صاحب زادی ہیں۔

خوش آئند بات یہ ہے کہ انھوں نے حال ہی میں حج سے واپسی پر جذباتی انداز میں اپنے اسلامی سفر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اسلام کی آغوش میں آنے کے بعد سے وہ اپنے اندر ایک روحانی کیفیت محسوس کر رہی ہیں، نیز خانہ کعبہ کی زیارت سے ان کے قلب وروح میں اس کیفیت کا مزید اضافہ ہوا ہے۔ حج کی ادائیگی کے بعد وہ خود گناہوں سے پاک ہوکر خود کو ایک ''معصوم سی بچی'' سمجھنے لگی ہیں۔ حجاب میں ملبوس کوئینی نے سعودی عرب کے ایک روزنامہ سے گفتگو کے دوران یہ بھی کہا کہ اب وہ مختلف شو.....کو خیر باد کہہ چکی ہیں اور پوری طرح اسلام سے مطمئن ہیں۔

واضح ہو کہ اس سے قبل ان کے الدین بھی مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں، چنانچہ کوئینی کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی والدہ کے چہرے پر نماز اور قرآن کی تلاوت کی بنا پر جس نور کو دیکھا ہے، اس کا تجربہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، کوئینی کا یہ بھی کہنا ہے کہ دولت اور شہرت کے باوجود وہ اپنے اندر ایک طرح کا خالی پن محسوس کرتی تھیں، جو قبولیت اسلام کے بعد پر ہو گیا ہے۔ (حدیبیہ نیوز: ۲۰۱۵/۱۰/۲۵ء)

برطانیہ کی برمنگھم یونیورسٹی سے قرآن کا قدیم ترین نسخہ برآمد:

برطانیہ کی مشہور ومعروف یونیورسٹی برمنگھم یونیورسٹی کے لائبریری سے قرآن کریم کا قدیم ترین نسخہ برآمد ہوا ہے۔ یونیورسٹی کے مطابق ٹیسٹ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ نسخہ کم از کم ۱۳۷۰ھ سال پرانا ہے۔ مزید یہ کہ ٹیسٹ سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ یہ نسخہ بھیڑ یا بکری کی کھال پر لکھا گیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو یہ نسخہ اب تک کا سب سے قدیم ترین نسخہ تسلیم کیا جائے گا۔ واضح ہو کہ قرآن کریم کا یہ نسخہ یونیورسٹی کی لائبریری میں تقریبا ایک صدی سے موجود تھا۔ ☆☆

باب الفتاوی

دو ہاتھ سے مصافحہ کے متعلق علماء کرام کیا فرماتے ہیں؟

ہمارے احناف بھائی دو ہاتھ سے مصافحہ کے قائل و عامل ہیں اور استدلال میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ ہونے کا دعوی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام موصوف نے اپنی صحیح کے اندر باب المصافحۃ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھایا یا قرآنی سورہ، درانحالیکہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، اور امام موصوف نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت حماد بن زید نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا، جس سے امام بخاری کا مسلک مصافحہ بالیدین معلوم ہوتا ہے، جبکہ اہلحدیث حضرات مصافحہ بالید کے قائل و عامل ہیں تو کیا باب مصافحہ میں امام بخاری رحمہ اللہ سے اختلاف ہے یا اہلحدیث حضرات بھی مصافحہ بالیدین کے قائل ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں، اللہ اجر عظیم سے نوازے گا۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

اصل جواب سے پہلے چند باتیں ملاحظہ فرمائیں:

آپ نے یہ کیسے سمجھا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے قائل تھے، تعجب ہے آپ اور آپ کے علم پر۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: " كان كفي بين كفيه " یعنی کہ میری ایک ہتھیلی آنحضور ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، معلوم ہوا کہ آنحضور فداہ ابی وامی ﷺ کا تو دونوں ہاتھ تھا لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہی ہاتھ تھا، اس سے جانبین سے بالیدین مصافحہ (یعنی دونوں طرف سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ) کا ثبوت نہ آپ دے سکتے ہیں نہ کوئی دوسرا۔ اسی طرح حماد بن زید کا حضرت عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا بھی ہے کہ حماد کی جانب سے مصافحہ میں دونوں ہاتھوں کا استعمال تو ضرور ثابت ہے لیکن عبداللہ بن مبارک نے بھی دونوں ہاتھوں کو استعمال کیا تھا یا ایک ہاتھ، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پس حنفیہ کا مصافحہ بالیدین ان دونوں روایتوں سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا جو جانبین سے مصافحہ بالیدین کے قائل وفاعل ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک جانب سے بالیدین کا ثبوت ہے۔

آپ نے اپنے سوال میں دانستہ یا نادانستہ اس بات کو لکھ دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایک ہی ہاتھ آنحضور ﷺ کے ہاتھوں کے درمیان تھا چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

''درانحالیکہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا'' آپ نے اپنی اس عبارت میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے لئے ''ہاتھ'' واحد کا لفظ استعمال کیا اور آنحضور ﷺ کے لئے ''دونوں ہاتھوں'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ ایمان سے بتائیے کیا حنفیہ کے یہاں بھی مصافحہ کی یہی صورت ہے جسے آپ نے خود تحریر کیا ہے، اگر یہ صورت نہیں ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں یہ کہنا کہ ''حنفیہ باب مصافحہ میں بالیدین کے قائل وفاعل ہیں اور استدلال میں حضرت امام بخاری کے ساتھ ہونے کا دعوی کرتے ہیں''۔ امام بخاری جیسے جلیل القدر سید المحدث امام پر اتہام کے سوا اور کیا ہے؟

متعدد احادیث اس بات کے ثبوت میں موجود ہیں کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے بلکہ داہنے ہاتھ سے ہونا چاہئے اور خود علماء حنفیہ بھی

اسی کے قائل ہیں، پہلے ذیل کی روایتیں ملاحظہ فرمائیے اس کے بعد ہم فقہائے حنفیہ کے اقوال پیش کریں گے۔

(۱) حافظ ابن عبدالبر تمہید شرح موطا میں لکھتے ہیں کہ: عن عبيد الله بن بسر قال : ترون يدى هذه صافحت بها رسول الله یعنی عبیداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو؟ میں نے اسی ایک ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (دیکھئے خلاصۂ تقریب وغیرہ کتب رجال)

(۲) عن أبي أمامة: تمام التحية الأخذ باليد والمصافحة باليمنى. رواه الحاكم فى الكنى وكذا فى كنز العمال ۹ / ۱۳۱، ح ۲۵۳۴۷۔ یعنی ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: سلام کی تمامی ہاتھ کا پکڑنا ہے اور مصافحہ داہنے ہاتھ سے ہے، اس روایت سے بھی صراحۃً معلوم ہوا کہ ایک ہاتھ سے یعنی داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہئے۔

(۳) صحیح ابوعوانہ میں حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ:

" فلما جعل الله الاسلام فى قلبى أتيت رسول الله ﷺ ، فقلت يا رسول الله ! ابسط يدك لأبايعك ، فبسط يمينه فقبضت يدى ، فقال ما لك يا عمرو ! فقلت : أردت أن أشترط ، فقال : تشترط ماذا ؟ قلت : يغفر لى ، فقال ما علمت يا عمرو ! ان الاسلام يهدم ما كان قبله " ۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، مگر اس میں بجائے (ابسط يدك) کے (ابسط يمينك) واقع ہوا ہے۔ واضح ہو کہ بیعت کے وقت بھی مصافحہ اسی طرح مسنون ہے، جس طرح ملاقات کے وقت، پس مصافحہ میں ان روایتوں کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔

(۴) کنز العمال میں ہے: " عن انس قال : بايعت النبى ﷺ : بيدى هذه على السمع والطاعة فيما استطعت (رواه احمد فى مسنده ۳ / ۱۷۲ باسناد صحيح " یہ روایت مسند احمد ج ۳ کے صفحہ ۱۹۲ میں بھی ہے، اس میں داہنے ہاتھ کی تصریح ہے۔

اس باب میں حدیثیں بہت زیادہ ہیں، کہاں تک ان کا استقصاء کیا جائے۔ اب ذرا فقہاء حنفیہ کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں:

کتب معتبرہ حنفیہ میں ہدایہ ایک درسی اور ایسی مقبول اور مستند و معتمد کتاب ہے کہ اس کی مدح میں فقہائے حنفیہ اس شعر کو پڑھتے ہیں، مقدمہ ہدایہ میں ہے کہ:

ان الهداية كالقرآن قد نسخت ما صنفوا قبلها فى الشرع من كتب

یعنی ہدایہ نے قرآن مجید کی طرح تمام ان کتابوں کو منسوخ کر دیا جو اس کے پہلے لوگوں نے تصنیف کی تھیں۔

اس کتاب میں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہئے، بلکہ اس میں صرف اس قدر لکھا ہے: "ولا بأس بالمصافحة ، لانه هو المتوارث وقال عليه السلام : من صافح اخاه المسلم وحرك يده ، تناثرت ذنوبه " یعنی مصافحہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک قدیم سنت ہے، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرے، اور اپنے ہاتھ کو ہلا دے تو اس کے گناہ جھڑتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی کا قول ہے آپ ردالمحتار حاشیہ درمختار (۳/۴۴۷) میں لکھتے ہیں: " قوله : (فان لم يقدر) أي على تقبيله الا بالايذاء أو مطلقا يضع يديه عليه ثم يقبلهما ، او يضع احداهما ، والاولى ان تكون اليمنى لأنها المستعملة فيما فيه شرف ، ولما نقل عن البحر العميق من : ان الحجر يمين الله يصافح بها

عباده والمصافحة باليمنى " اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ: حجر اسود اللہ تعالی کا داہنا ہاتھ ہے اس سے اس کے بندے مصافحہ کرتے ہیں، اور مصافحہ داہنے ہاتھ سے ہے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی کا قول: آپ بنایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ: " واتفق العلماء على أنه يستحب تقديم اليمنى فى كل ما هو من باب التكريم كالوضوء والغسل ولبس الثوب والنعل والخف والسراويل ودخول المسجد والسواك والاكتحال وتقليم الاظفار وقص الشارب ونتف الابط وحلق الرأس والسلام من الصلاة والخروج من الخلاء والاكل والشرب والمصافحة واستيلام الحجر والاخذ والعطاء وغير ذلك مما هو فى معناه ويستحب تقديم اليسار فى ضد ذلك ، انتهى "۔

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ تمام ان امور میں جو تکریم والے ہیں داہنے ہاتھ کا مقدم کرنا مستحب ہے، جیسے وضوء اور غسل کرنا .....اور کھانا پینا اور مصافحہ کرنا، حجر اسود کا بوسہ، اور لینا اور دینا وغیرہ۔

علامہ ضیاء الدین حنفی نقشبندی اپنی کتاب لوامع العقول میں حدیث: اذا التقى المسلمان فتصافحا وحمد الله کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ: والظاهر من آداب الشريعة تعيين اليمنى من الجانبين لحصول السنة كذلك فلا تحصل باليسرى ولا فى اليمنى ، انتهى ۔ یعنی آداب شریعت سے ظاہر یہی ہے کہ مصافحہ کے مسنون ہونے کے لئے دونوں جانب سے داہنا ہاتھ متعین ہے، پس اگر دونوں جانب سے بایاں ہاتھ ملایا گیا یا ایک جانب سے داہنا اور ایک طرف سے بایاں تو مصافحہ مسنون نہیں ہوگا۔

علامہ عبد الرؤف منادی کا قول: آپ اپنی کتاب الروض النضیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں " ولا تحصل السنة الا بوضع اليمنى فى اليمنى حيث لا عذرا ، انتهى " یعنی مصافحہ مسنون نہیں ہوگا مگر اسی صورت سے کہ داہنے ہاتھ کو داہنے ہاتھ میں رکھا جائے۔

علامہ عزیزی کا قول: آپ اپنی کتاب السراج المنیر شرح جامع صغیر میں حدیث لقاء حاج کے شرح میں لکھتے ہیں کہ:

(اذا لقيت الحاج) أى عند قدومه من حجة (فسلم عليه وصافحه) أى ضع يدك اليمنى فى يده اليمنى ، انتهى ۔ جب تو حاجی سے ملاقات کرے، یعنی حج سے آنے کے وقت تو تو اس پر سلام کر اور اس سے مصافحہ کر، یعنی اپنے داہنے ہاتھ کو اس کے داہنے میں رکھ۔ اس سے بھی ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

غرضیکہ حنفی فقہاء بھی کثرت سے اسی بات کے قائل ہیں کہ مصافحہ صرف داہنے ہاتھ سے ہونا چاہئے۔

اللہ تعالی حدیث کے معنی سمجھنے کی توفیق دے، آمین۔

بخاری کی روایت تعلیم کے لئے ہے جس سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم کے وقت معلم متعلم کے ہاتھ دونوں ہاتھوں سے تھام کر تعلیم دے، عند اللقاء سلام یا مصافحہ کے ثبوت میں یہ حدیث نہیں ہے۔☆

والله أعلم بالصواب

دار الإفتاء

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس